ماہنامہ تذکرہ کراچی

ماہ دسمبر ۱۹۵۴ء قیمت فی پرچہ:- چھ ۶ آنے

مدیر بشیر محمد

مقامِ اشاعت:- آرام باغ، کراچی پاکستان

جلد ۲
شمارہ ۱۰
دسمبر ۱۹۵۴ء
مطابق
ربیع الثانی
۱۳۷۴ھ

ماہنامہ تذکرہ کراچی

قیمت
فی پرچہ چھ آنے
سالانہ چار روپے
خط وکتابت و ترسیل رقم کا پتہ
دفتر ماہنامہ "تذکرہ"
آرام باغ فریر روڈ
کراچی۔ پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برسبیل تذکرہ

حالاتِ حاضرہ

آج کل پاکستان جن مشکلات اور مصائب سے دوچار ہے سب پر عیاں ہیں۔ زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں، جس لحاظ سے ہمارے ملک کی حالت ابتر نہ ہو۔ سیاسی و انتظامی خرابیاں، دینی و مذہبی انحطاط، معاشی و اقتصادی بدحالی، علمی و اخلاقی گراوٹ، یہ اور اسی قسم کے بیسیوں عیوب ونقائص ہیں جو اپنی بھیانک سے بھیانک شکل میں ہماری قوم میں موجود ہیں۔

وجوہات

اِن حالات سے سب واقف ہیں، ان کی وجوہات بھی سب پر واضح ہیں۔ یہ بالکل وہی کیفیت ہے جو دو موسموں کے زمانۂ تداخل میں واقع ہوتی ہے۔ اس زمانہ میں قسم ہا قسم کے امراض سر اُٹھاتے اور بیشمار افراد کو اپنا نشانہ بناتے ہیں، اور یہی حالت اُس وقت پیدا ہوتی ہے جب ایک حاکم قوم اپنا زادۂ اقتدار سمیٹتی اور رختِ سفر باندھتی ہے اور دوسری قوم اپنی حاکمیت کے ڈیرے خیمے ڈالتی ہے۔ اِس موقع پر بھی بیشمار اخلاقی امراض اور معاشرتی وبائیں پھوٹ پڑتی ہیں اور پوری قوم اُن میں مبتلا ہو جاتی ہے، گو ان کا زمانہ حسبِ صلاحیتِ قوم طویل یا قلیل ہوا کرتا ہے۔

اِس سے انکار نہیں کہ جادۂ ہستی میں قدم رکھنے والی ہر قوم کو کسی نہ کسی دَور میں اِن مشکلات کا سامنا ضرور کرنا پڑتا ہے لیکن وہ عارضی ہوتی ہیں۔ مگر ہمارے مصائب و محن کا سلسلہ منقطع ہوتا نظر نہیں آتا، ان میں روز افزوں اضافہ سے ان کے دائمی اور لازوال ہونے کا شُبہ ہوتا ہے، ان کی رفتارِ کج ہمیں تباہ کاری و بربادی کی جانب لئے جا رہی ہے۔

وقت کا تقاضا

وقت کا تقاضا ہے کہ ہم ان مسائل پر غور کریں اور ان کا حل سوچیں زندہ قومیں قعرِ ذلّت و نکبت میں چین سے بیٹھی نہیں رہتیں تاوقتیکہ وہ اپنی کھوئی ہوئی عزّت و منزلت دوبارہ حاصل نہ کرلیں۔

اِس سلسلے میں جرمنی کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ ہر دو جنگِ

عظیم میں فنا ہو جانے کے بعد وہ کس طرح اُبھرا، اور اب بھی اسی شان سے راہِ ترقی پر گامزن ہے۔

یہ نتائج دراصل قومی کردار و عمل اور اجتماعی اخلاق و اخلاص کے مرہونِ منت ہوتے ہیں۔ اگر ہماری قوم کے افراد محنتی، جفاکش اور اعلیٰ اخلاق کے حامل ہوں اور اسی طرح لیڈرانِ قوم بھی ایمانداری، خلوص اور بے غرضی جیسی اعلیٰ صفات کے مالک ہوں تو کوئی وجہ نہیں کہ ملک و قوم اِن ناگفتہ بہ حالات میں زیادہ عرصہ مبتلا رہے۔

سیاسی حالات

حال ہی میں جو سیاسی انقلابات رونما ہوئے، وہ حکمراں طبقہ کی حالت اور اس کی اندرونی کیفیت کی پوری طرح غمازی کرتے ہیں۔ اسمبلی کا تعطّل، وزارتوں میں تبدیلی، ایوان ہائے حکومت میں ہنگامہ آرائی و شورش گردی، یہ تمام اُکھیڑ پچھاڑ اسی صلاحیت کے فقدان اور نقصِ کردار کی دلیل ہے۔

سات سال تک دستور سازی میں قوم کا پیسہ بے دریغ صرف ہوا لیکن وہ بھی ٹھکانے نہ لگ سکا۔ چند خود غرض لیڈروں کے ذاتی مفاد اور باہمی اختلافات کی بنا پر ملکی دستور کی ناؤ ساحلِ مُراد سے ہمکنار ہوتے ہوتے غرقِ آب ہو گئی۔ گویا ہمارے ملک کی اِتنی عمر اور دولت دریابُرد ہو گئی۔ قومی تاریخ میں یہ ایک نہایت افسوس ناک واقعہ ہے جو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

قانونی لحاظ سے اِس امر کی درستی و عدم درستی کا فیصلہ تو اب عدالت ہی کرے گی، لیکن سیاسی لحاظ سے ہمارے خیال میں یہ مفید بھی ہو سکتا ہے اور نقصان دہ بھی۔ مفید صرف اِس صورت میں جب کہ آئندہ آنے والے لیڈر خدمتِ قوم کا مخلصانہ جذبہ رکھتے ہوں، جس کی فی الحال کوئی اُمید نہیں۔

اقتصادی حالت

دوسری بپتا جو ہماری قوم پر بشکلِ خونخوار دیو مسلط ہے وہ اقتصادی بدحالی ہے۔ یہ لعنت بھی ہماری بہت سی خرابیوں کی ذمہ دار ہے، لیکن یہ تمام مسائل باہم اِس درجہ مربُوط اور منسلک ہیں کہ ایک کو دوسرے سے جُدا کر کے اُن پر غور کرنا ناممکن ہے۔ ان کا آپس میں نہایت گہرا تعلّق ہے۔ ان کو الگ کر کے سوچنا انتہائی نادانی ہے۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ اِس سلسلے میں کسی خاص گروہ کو اس کا قصور وار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ اس کا الزام سب کے سر ہے، نہ عوام کا طبقہ اس سے بَری ہے نہ خواص کا گروہ اس سے مُبرّا۔

اخلاقی حالت

یہی حالت ہمارے دینی و اخلاقی کردار کی ہے۔ ہم اِس لحاظ سے بھی کسی شمار میں نہیں، بلکہ اپنے دین و مذہب اور ملک و ملت کے لئے باعثِ ننگ و عار ہیں۔ لیکن یہ کیفیت بھی ملک کی سیاسی بدحالی، اقتصادی کمزوری اور علمی فقدان کی پیداوار ہے۔ اور ایک حد تک طبقۂ علماء کی غفلت کا نتیجہ۔

مجموعی اعتبار سے قوم کے اِن تمام عیوب و نقائص کا قصور وار ملک کا ہر فرد ہے۔ لازم ہے کہ ہر باشندۂ ملک سُکھ چین کی نیندیں چھوڑ کر، عیش و عشرت کے تمام لوازمات ترک کر کے قوم و ملّت کی اصلاح و درستی میں کوشاں ہو جائے، جس کا واحد طریقہ خود اپنے نفس کی اصلاح ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ۔

(ادارہ)

تفسیر قرآن

سورۃ البقرہ

(خواجہ محمد عبد الحی، فاروقی)

(۲۲)

(۱۰۵) مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ○

"کتاب والوں میں سے جو منکر ہیں، اور مشرکین نہیں چاہتے کہ تمھارے رب کی طرف سے تم پر کوئی نیک بات اُترے اور اللہ جس کو چاہے اپنی رحمت کی وجہ سے خاص کر لیتا ہے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔"

یہود و نصاریٰ اور مشرکین کبھی اِس بات کو پسند نہیں کر سکتے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اپنے مکالمہ و تخاطب کے لئے چن لے، اور پھر وہ ترقی کے اعلیٰ مراتب پر پہنچ جائیں، بلکہ اُن کی انتہائی کوشش یہ ہوتی ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو مسلمانوں کو ترقی سے روک دیں انھیں سر اُٹھانے کا موقعہ نہ ملے، اور دائمی طور پر ہمارے ہی غلام رہیں۔ حالانکہ شریعتوں کے نازل کرنے میں کبھی اِس امر کا خیال نہیں کیا جاتا کہ ایک قوم جو حد درجہ کی نالائق ہو، کتابِ الٰہی سے بُعدِ ہجر اختیار کر چکی ہو، فسق و فجور میں مبتلا ہو، اخلاقِ فاضلہ اور اعمالِ صالحہ سے منحرف ہو۔ پھر بھی اُس کو اپنی رحمت کے لئے مخصوص کرے؟ اس کے فضلِ عظیم کی ایک ہی قوم اجارہ دار نہیں بن سکتی، بلکہ وہ جس کو چاہتا ہے اپنے کام کے لئے منتخب کر لیتا ہے۔

اِس آیت میں مشرکین کا نام لیا گیا ہے اِس لئے کہ یہ بھی اپنے آپ کو ملتِ ابراہیم کا متبع سمجھتے تھے۔ نماز، زکوٰۃ، حج روزہ، ختنہ، اللہ کے نام پر جانوروں کا ذبح کرنا، اشہرِ حرم میں لڑائی نہ کرنا، تمام رسمیں ان میں موجود تھیں، اُن کو قرآنِ حکیم کا نزول اِس لئے ناگوار تھا کہ اب عرب کی سیادت اور حکومت ان کے ہاتھوں سے نکل کر مسلمانوں کے قبضہ میں آجائے گی، اور وہ تمام دنیا کی حکومت حاصل کریں گے، ظاہر ہے کہ جس قوم کی حکومت چھن جائے، ضرور دوسروں کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرے گی۔

مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ دنیا کی کوئی قوم اُن کی دوست نہیں بن سکتی، بلکہ ان کے مقابلہ میں تمام کفار و مشرکین اور اہلِ کتاب ایک ہو جایا کریں گے، اِس لئے کہ کفر، ملتِ واحدہ ہے۔ سورۂ انفال میں فرمایا وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ (۸ : ۴۷) "اسلام کی دشمنی میں تمام کفار ایک دوسرے کے دوست ہیں"۔ قرآنِ حکیم نے اِس قدر صاف صاف اِس موضوع پر آیات بیّنات پیش کی ہیں کہ شاید ہی اس سے زیادہ کسی اور مسئلہ پر گفتگو کی ہو گی۔ ایک جگہ فرمایا: ولن ترضی عنک الیہود ولا النصاریٰ حتّٰی تتّبع ملّتہم (۲ : ۱۱۸) پھر کہا: ولا یزالون یقاتلونکم حتّٰی یردّوکم عن دینکم ان استطاعوا (۲ : ۲۱۷)

آل عمران میں کہا: لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَاءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ (۳: ۲۷) پھر سورۂ ممتحنہ کے آخر میں فرمایا یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ قَدْ یَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا یَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ (۶۰: ۱۳) کس درجہ کھول کھول کر بیان کیا: یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا یَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ هٰۤاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا یُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَیْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَیْظِ ؕ (۳: ۱۱۴ و ۱۱۵)

مگر مسلمانوں نے ان آیات کی بے حرمتی کی، ان کا احترام ان کے دلوں سے جاتا رہا۔ علمائے سُوء نے ان کی تاویلات شروع کر دیں ان تمام حرکات کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام بلاد و امصارِ اسلامی یکے بعد دیگرے اُن کے ہاتھوں سے نکلے چلے جا رہے ہیں۔ ان کی عورتوں اور لڑکیوں کو بے آبرو کر کے آگ کی نذر کیا جاتا ہے، ان کے شہروں پر ہل چلائے جاتے ہیں، کھیتیاں برباد کی جاتی ہیں، ارضِ مقدّس چھین جاتی ہے۔

مگر آہ ثم آہ! اُن کے بدن پر جُوں تک نہیں رینگتی، اور ذرا بھی ٹس سے مَس نہیں ہوتے، فیالیتنی مت قبل هٰذا وکنت نسیًا منسیًا۔

اعتراضات کی بوچھار

گزشتہ آیات میں اِس مسئلہ کو صاف کر دیا کہ مسلمان اہلِ کتاب سے کسی قسم کے تعلقات بھی نہیں رکھ سکتے اور ان سے اتحاد کلیۃً ممنوع و ناجائز ہے، ان سے علیحدہ ہونے کے بعد مسلمانوں کو مستقل قانون اور دستور العمل کی ضرورت ہو گی، تاکہ ان کا وجود قائم رہ سکے، یہ قانون تو فَاذْكُرُوْنِیْۤ اَذْكُرْكُمْ سے شروع ہو گا۔ مگر یہاں سے اُس کی تمہید بیان کی جاتی ہے۔

کہیں کہیں آپ نے دیکھا ہو گا کہ یہودی قرآنِ حکیم پر اعتراض کرتے ہیں، اور وحیِ الٰہی اُن کا جواب دیتی ہے۔ لیکن اب انقطاعِ تعلقات ہو چکا ہے۔ ترکِ موالات کی بنا پر وہ نہ تو مجلسِ نبوی میں کھلے بندوں شریک ہو سکتے ہیں اور نہ مسلمانوں کے عام مجامع میں انھیں شرکت کا موقعہ حاصل ہے۔ اِس اجتناب کی بنا پر وہ مسلمانوں پر کوئی بُرا اثر نہیں ڈال سکتے۔ مگر نیشِ عقرب کی طرح مقتضائے طبیعت سے بچنا بھی مشکل، اِس لئے انھوں نے تجویز یہ کی کہ جب کبھی کوئی اِکّا دُکّا مسلمان راہ میں مل جائے تو اس کو بہکانے کی پوری کوشش کریں۔ اِنْ یَّثْقَفُوْكُمْ یَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً (۶۰: ۲) اور ان کے سامنے ایسے اعتراضات کئے جائیں جن کا اُن کے پاس کوئی جواب نہ ہو۔ اور اِس طرح اُن کے ایمان میں خلل واقع ہو۔ وَدَّ كَثِیْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ یَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِیْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۖۚ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ (۲: ۱۰۷) بغض عداوت کی بنا پر اہلِ کتاب کی سب سے بڑی آرزو یہ ہے کہ، ایمان کے بعد تم کو پھر کفر و ضلالت میں لے جائیں۔

رسول اللہؐ جب مدینۂ منوّرہ تشریف لائے تو آپ نے ایک مدّت تک بیت المقدّس کی جانب نماز پڑھی۔ آخر میں ہمیشہ کے لئے اُمّتِ مسلمہ کا قبلہ بیت اللہ بنا دیا گیا۔ یہ اِس امر کی تمہید تھی، کہ مسلمان دنیا کی تمام اقوام و امم سے الگ ہو کر اپنا مرکز جُداگانہ قائم کرتے ہیں، اور ایک جدید قومیتِ صالحہ کی اساس و بنیاد محکم و استوار کرنے کی فکر میں ہیں، اِس لئے وقت آ گیا کہ مخالفین

و معاندینِ اسلام بھی پوری قوت کے ساتھ اس تحریک کو فنا کرنے میں مصروف ہوں، تحویلِ قبلہ نے انھیں بہترین موقع دیدیا اور تمام آلات سے مسلح ہو کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے؛ نسخِ قبلہ پر اعتراض کرنا شروع کر دیا۔ اللہ تعالےٰ کے ازلی و ابدی اور محیط الکل علم پر نکتہ چینی کی۔ شارع علیہ السلام کی ذاتِ اقدس کو موردِ طعن و تشنیع بنایا کہ اپنی خواہشات کو مذہب کا نام دے رکھا ہے۔ جس طرف جی چاہتا ہے مُنہ کر لیتے ہیں، اگر یہ مذہب الہامی ہوتا تو قبلہ بار بار نہ بدلتا۔

آئندہ آیات میں ان تمام مباحث کو صاف کر دیا جائے گا اور قبلہ کی حقیقت پر روشنی ڈالی جائے گی۔ مگر اس بحث کے دو پہلو ہوں گے (۱) الزامی (۲) تحقیقی۔ جواب دینے سے قبل ارشاد ہوتا ہے:

(۱۰۶) مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ○

"ہم جب کسی آیت کو موقوف یا فراموش کر دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اُس جیسی پہنچا دیتے ہیں، کیا تمھیں معلوم نہیں کہ اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ ہی کے لئے ہے اور تمھارا اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور مددگار نہیں۔"

پہلے رکوع میں بتایا گیا ہے کہ یہودیوں کو مسلمانوں کے ساتھ جس قدر بغض و عداوت ہے اس کا اصلی سبب صرف یہ ہے کہ بنی اسمٰعیل پر کیوں وحی نازل ہوئی اور بنی اسرائیل کو کس لئے اِس فضیلتِ کبریٰ سے محروم کر دیا گیا؟ ظاہر ہے کہ وحی و الہام کے بدلتے ہی حکومت کا مسئلہ بھی جدید صورت اختیار کرے گا۔ یعنی یہودی ذلیل ہوں گے اور مسلمانوں کو حکومت نوازش ہو گی، اِسی لئے وہ بدبخت زیادہ چیخ و پکار کرتے تھے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ جب ہم کسی ملّت کو منسوخ کرتے ہیں تو پھر دو صورتیں ہمارے سامنے ہوتی ہیں اِس سے بہتر قوم کو اس کی جگہ کھڑا کر دیں، یا اس جیسی ہی ہو، چنانچہ یہودیوں کی مغضوبیت کے بعد اُس کے مساوی درجہ کی قوم عیسائیوں کی کھڑی کر دی گئی، اب ان سے بہتر قوم کو پیدا کیا جاتا ہے کنتم خیر امّۃ اخرجت للنّاس، جو تمام دنیا میں پھیل جائے گی اور ارضِ الٰہی کا ایک ایک گوشہ نغمۂ توحید سے معمور ہو جائے گا۔

زمین و آسمان کی بادشاہت اللہ کی ہے، وہ ایک قوم کو حکومت نوازش کرتا ہے۔ جب اس میں نا قابلیت پیدا ہو جاتی ہے تو اس کی جگہ دوسری ملّت قائم کی جاتی ہے کہ نظامِ عالم میں خلل نہ واقع ہو اور ارضِ الٰہی فساد کا گہوارہ نہ بن جائے پھر اقوام و اُمم کے تغیر و تبدل پر اللہ تعالیٰ کا علم کس طرح محلِ اعتراض بن سکتا ہے۔ اگر عرب کے ظہور و شہود کو ہم نے باقی قوموں سے مؤخر کر دیا تھا، اور کائنات خلّتِ ابراہیمؑ کے بعد اس پر گمنامی کا پردہ ڈال دیا تھا، تو یہ کسی نہ کسی مصلحت کی بنا پر تھا۔ چنانچہ اِس تاخیر کا یہ نتیجہ ہوا ہے کہ آج دنیا کی تمام قومیں اُس کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہیں، اور وہ جہاں جاتی ہے فتح و نصرت اس کے قدم لیتی ہے۔

ناسخ و منسوخ

فنِ تفسیر میں ناسخ و منسوخ ایک اہم ترین باب ہے، جس سے ناواقفیت

زلتِ قدم کا باعث ہوتی ہے۔ نسخ کی تعریف میں متقدمین ومتاخرین کا اختلاف ہے، اسی اختلاف کی بنا پر اس کے متعلق عجیب وغریب مباحث پیدا ہو گئے۔ حضراتِ صحابہ وتابعین کے کلام کا استقرا بتاتا ہے کہ وہ نسخ کو اس کے لغوی معنی میں استعمال کرتے تھے۔ یعنی ایک چیز کو دوسری چیز کے ذریعہ زائل کر دینا، اس لئے اگر عمل کی مدت ختم ہو گئی، کلام کو اس کے متبادر معنی سے غیر متبادر کی جانب پھیر دیا، یہ بتایا کہ پہلے جو قید تھی وہ صرف اتفاقی طور پر لگائی گئی تھی، لفظ کی عمومیت میں کچھ تخصیص کر دی۔ منصوص اور مقیس علیہ ظاہری میں امر فارق کو بیان کر دیا، یا جاہلیت کی کسی عادت اور قانون کو دور کر دیا، تو ان کے نزدیک یہ تمام صورتیں نسخ میں داخل ہوں گی۔

علامہ ابنِ حزم نے کہا:

النسخ فی اللغة موضوع بازاء معنیین احدھما الزوال علی جھة الانعدام والثانی علی جھة الانتقال۔ "لغت میں نسخ کے ۲ دو معنی آتے ہیں (۱) ایک حکم بالکلیہ زائل کر دینا (۲) ایک حکم کی مدتِ عمل ختم ہو گئی، اس کی جگہ دوسرا حکم دینا"

ایک مثال سے یہ مضمون اور زیادہ واضح ہو جائے گا طبیب اپنے مریض کی حالت کا اندازہ کر کے اس کے لئے منضج کا نسخہ تجویز کرتا ہے، جب اس کا اثر مکمل ہو جاتا ہے اور اس کی ضرورت باقی نہیں رہتی تو مسہل کا نسخہ دیتا ہے۔ یہی مثال ہے تمام احکامِ شرعیہ کی۔ مگر متاخرین اربابِ تفسیر نے نسخ کی جو تعریف کی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ایک ہی وقت میں دو متناقض حکم صادر ہوں تو دوسرا پہلے کے لئے ناسخ ہوگا، مگر انھیں معلوم ہونا چاہیئے کہ منطقیوں نے تناقض کے لئے آٹھ شرطیں معین کی ہیں۔

در تناقض ہشت وحدت شرط داں
وحدت موضوع ومحمول ومکاں
وحدت شرط واضافت جزو وکل
قوت وفعل است در آخر زماں

لیکن کیا کوئی صاحبِ علم وبصیرت ثابت کر سکتے ہیں کہ جن آیتوں میں وہ ناسخ ومنسوخ کو تسلیم کرتے ہیں ان میں کہیں یہ شرطیں بھی پائی جاتی ہیں یا نہیں، والبیّنة علی المدعی۔ اگر ہم اس وقت جب الیوم اکملت لکم دینکم کی آیت ہمارے سامنے ہو، ناسخ ومنسوخ کو قرآن میں تسلیم کر لیں، تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ قریباً تمام قرآن بیکار ہے۔ خود زمانہ رسالت میں نسخ کا ہونا مسلّم، اور اس کی مثال بیمار اور طبیب کی ہے۔ ایک امت کو وجود میں لانے کے لئے ان تمام منازل سے گزرنا ضروری ہے۔ مگر اب تو وہ ایک مکمل قانون کی صورت میں ہمارے سامنے ہے اور کسی کو اس میں تغیر و تبدل کا حق نہیں۔ بعض لوگوں نے پانسو آیات کو منسوخ تسلیم کیا، شیخ محی الدین ابن عربی کے نزدیک ۲۰ بیس آیات ہیں، اور امام المتأخرین شاہ ولی اللہ نے اپنی کتاب "فوز الکبیر" میں صرف پانچ آیتوں پر اکتفا کیا۔ یہ رفتار خود بتا رہی ہے کہ کس طرح آہستہ آہستہ ناسخ ومنسوخ کے اصول کو اس وقت قرآن سے زائل کیا جا رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر شاہ ولی اللہ کی پانچ آیتوں میں آپ ذرا دقتِ نظر سے کام لیں تو ان کا نسخ بھی جاتا رہتا ہے اور اس طرح تمام کتاب اوّل سے لے کر آخر تک قابلِ عمل بن جاتی ہے۔ چنانچہ ہم نے ان پانچ آیات کی اپنے اپنے مقام پر ایسی توجیہ کر دی ہے کہ کوئی سلیم الفطرت انسان اس سے انکار ہی نہیں کر سکتا۔

اور اس آیت سے تو کسی طرح استدلال ہو ہی نہیں سکتا

ں لئے کہ اس میں ملتوں اور قوموں کے عروج و زوال پر بحث کی گئی ہے۔

اعتراض کی اصلی غرض

(۱۰۸) اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْئَلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ط وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝

"کیا تم مسلمان بھی چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے ایسے سوال کرو جیسے اِس سے قبل موسیٰؑ سے کئے گئے تھے؟ اور جو کوئی یقین کے بدلے انکار لیوے، وہ سیدھی راہ بھول گیا۔"

جس وقت مسلمانوں نے یہودیوں سے قبلہ پر اعتراضات سنے، تو اُن کے دل میں بھی خلجان پیدا ہوا اور انھوں نے رسول اللہ سے اس کے متعلق کچھ سوالات کئے، انھیں جواب دیا گیا کہ، جب تم نے شارع علیہ السلام کو اللہ کا رسول تسلیم کرلیا تو اب اس کے احکام و اوامر میں شُبہ کی گنجائش ہی نہیں رہی۔ جو شبہات تمہارے دل میں پیدا کئے گئے ہیں، اُن کی اصل غرض تو یہ ہے کہ تمہارے ایمان و اسلام میں خرابی آجائے اور بنیادی اصول غلط نظر آنے لگیں، کثرت سے سوال کرنا، فلسفیانہ موشگافیاں اور دور از کار مباحث لاکھڑے کرنا ان یہودیوں کا کام ہی، ان کی تاریخ تمہارے سامنے ہی۔ موسیٰ علیہ السلام کو اپنے سوالات سے تنگ کر دیا اور پھر اس سوال و جواب کا نتیجہ بھی کچھ نہ نکلا۔ ایسے سوالات کرنا مسلمانوں کی شان سے بعید ہے۔

جن لوگوں میں کام کرنے کی استعداد ہوتی ہی اور وہ نوعِ انسانی کی خدمت کرنا چاہتے ہیں، انھیں سوالات کا بہت ہی کم موقع ملتا ہے، کیونکہ انھیں اپنے فرائض کی ادائیگی ہی سے فرصت نہیں ہوتی کہ سوالوں کی طرف اُن کا دماغ متوجہ ہو، البتہ بیکار لوگ برابر سوال کرتے رہتے ہیں "کثرۃ الکلام تنبی عن قلت العمل"، اِسی لئے عرب میں یہ ضرب المثل مشہور ہے کہ یدا و لا تکن لسانا زبان کی بجائے دست عمل بننے کی کوشش کرو۔

(۱۰۹) وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ج فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ط اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

"بہت سے کتاب والے چاہتے ہیں کہ تمہارے ایمان کے بعد تمھیں کافر بنا دیں اور یہ اِس لئے ہی کہ ان کے دلوں میں تمہارے لئے حسد ہے باوجود اِس بات کے کہ حق اُن پر کھل چکا ہی۔ پس تم درگزر کرو اور خیال میں نہ لاؤ، جب تک اللہ اپنا حکم نہ بھیجے، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

اِس آیت میں یہودیوں کے اعتراض کی اصلی غرض بیان کردی کہ وہ مسلمانوں کو دینِ حق سے منحرف کرنا چاہتے ہیں اور وہ بھی بغض و عداوت کی بنا پر کہ بنی اسمٰعیل پر کس لئے وحی نازل ہوئی، حالانکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ اب زمانہ کی ضروریات اِسی بات کی مقتضی ہیں کہ قرآن کا نزول ہو، کیونکہ توراۃ، زبور اور انجیل میں سے کوئی کتاب بھی انسان کے لئے مفید نہیں ہوسکتی۔

جب ایک عالم آدمی قانون کا اتباع چھوڑ دیتا ہی تو اس کی کوشش یہ ہوتی ہی کہ دوسرے لوگ بھی راہِ حق سے منحرف ہوجائیں ورنہ اس پر اعتراضات ہوں گے یہی حال یہودیوں کا ہی۔ اپنی کتاب کو تو وراء ظہورہم کردیا۔ اب مسلمانوں میں بھی یہی بے عملی کا مرض پیدا کرنے کی فکر میں ہیں، اسی لئے اعتراضات

کی بوچھار ہو رہی ہے۔

مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ ان لوگوں کا اصلی مقصد اسلام سے الگ کرنا ہے تو ان کے غصہ و انتقام کی کوئی حد نہ رہی کہ ان کی عزیز ترین متاعِ حیات پر حملہ ہو رہا تھا، مگر انہیں سمجھا دیا گیا کہ بدلہ لینے کا ابھی وقت نہیں آیا، اِس وقت تو درگزر سے کام لینا زیادہ مناسب ہے تا آنکہ اللہ تعالےٰ جہاد فی سبیل اللہ کے احکام نافذ کرے، چنانچہ جب مسلمان اس کے لئے تیار ہو گئے تو یہ آیت نازل ہوئی: أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ○ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۗ وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ○ (۲۲: ۴۰ و ۴۱)

"جن مسلمانوں سے کافر لڑتے ہیں، ان کو بھی ان کافروں سے لڑنے کی اجازت ہے، اِس واسطے کہ اُن پر ظلم ہو رہا ہے، اور کچھ شک وشبہ نہیں کہ اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے، یہ وہ مظلوم لوگ ہیں جو صرف اِتنی بات کہنے پر کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے ناحق اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے، اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ہاتھ سے نہ ہٹواتا رہتا تو نصاریٰ کے صومعے اور گرجے، اور یہودیوں کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں، جن میں کثرت سے خدا کا نام لیا جاتا ہے، کبھی کے ڈھائے جا چکے ہوتے اور جو اللہ کی مدد کرے گا، اللہ بھی اس کی ضرور مدد کرے گا کچھ شک وشبہ نہیں کہ اللہ زبردست اور سب پر غالب ہے۔"

یہ فرصت کا وقت ہے اِس کو غنیمت جانو، اور لڑائی کے لئے جن ابتدائی امور اور اخلاق وجذبات کی ضرورت ہوتی ہے اُن کی مشق اِن ایام میں کرلو۔ نماز، زکوٰۃ، روزے اور حج ابتدائی تعلیم کے قائم مقام ہیں، جب تک ان میں کمال نہ پیدا ہو گا جہاد میں کامیابی کی کوئی صورت نہیں۔ اِس آیت میں دو چیزوں کا حکم دیا کہ عفو اور صفح سے کام لو۔ عفو سے مُراد یہ ہے کہ ان کی حرکات کو اِس وقت اپنے دل سے اِس طرح فراموش کردو کہ باوجود زور دینے کے پھر بھی یاد نہ آئیں۔ اور صفح کا منشا یہ ہے کہ ان باتوں کی طرف توجہ تک نہ کیجئے کیونکہ جب ان باتوں کی یاد تمہارے دل میں تازہ ہوگی، فوراً بھڑک اٹھوگے، اِس لئے عفو سے کام لو اور آنے والے وقت کے لئے تیار ہو جاؤ، ان ایام میں تمہارے فرائض کیا ہوں گے؟ ان کا بیان آگے آئے گا۔

بقیہ مضمون صفحہ ۴۷ ۔ "نجمہ"

لڑکی بہت خوش ہوئی اور زیر لب اُسے دُعائیں دینے لگی، پھر کمرے سے باہر چلی آئی۔

آج رات محسن پر جو بپتا گزری، نجمہ اُس سے بالکل بے خبر تھی۔ اب دیکھئے کل صبح اس کی کیا حالت ہوتی ہے؟

"نجمہ" کی بیسویں قسط ------ ماہِ جنوری کے "تذکرہ" میں ------ ملاحظہ فرمائیے

قصص القرآن

یوسف علیہ السلام

(۵)

(محمد احمد)

مصر کا ملکی قانون

اِس وعدہ کا حال سنکر یوسف علیہ السلام کا جی خوش ہو گیا انھیں
بات سے بڑا اطمینان ہوا کیونکہ مصر کا ملکی قانون اِس بات کی
زت نہ دیتا تھا کہ چور کو روک لیا جائے یا اپنی مرضی سے اُس کا فیصلہ
جائے۔ یہ اللہ کی قدرت تھی کہ وہ جس بات کے خواہاں تھے لُسے
کے بھائیوں نے اپنی خوشی سے منظور کرلیا۔

اِس قرارداد کے مطابق تلاشی لینے والے نے ایک ایک کر کے
فلے کے سب لوگوں کے برتن اور سامان دیکھنا شروع کر دیئے جب
بنیامین کا سامان دیکھا گیا تو پیمانہ ان کے کجاوے کی تہوں میں
پا ہوا مِل گیا۔ اِس پیمانہ کو کجاوے سے نکال کر ان لوگوں کے سامنے
گیا، جسے دیکھ کر یہ سخت پریشان اور حیران و ششدر رہ گئے
شرم کے مارے سر جھکا لئے۔

یوسف علیہ السلام نے اُن سے کہا «شرط پوری کرنا تمہارے
لازم ہے، اس کا پاس رکھنا زیادہ ضروری ہے اس لئے اس شخص
جس کے پاس پیمانہ نکلا ہے، چھوڑ جاؤ، ہم اس کا فیصلہ کریں گے
اس سے اپنا حق وصول کریں گے»

انھوں نے کہا «اے عزیز! اس کے والد بہت بوڑھے
، اسّی برس کے قریب عمر ہو چکی ہے، انھیں بنیامین کا بہت
ل رہتا ہے۔ ہم ان سے عہد کر چکے ہیں کہ اس کی حفاظت کریں گے

اور صحیح سلامت اُن تک پہنچا دیں گے۔ ہم دسوں بھائی آپ کے سامنے حاضر ہیں (فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهُ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ قَالَ: مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ؛ ہم میں سے کسی ایک کو اس کی جگہ لے لیجئے، ہم آپ کو احسان کرنے والوں میں سے سمجھتے ہیں! حضرت یوسفؑ نے کہا: ہمیں خدا اِس بات سے پناہ میں رکھے کہ ہم اس شخص کے سوا جس کے پاس ہمیں اپنا سامان ملا ہے، کسی اور کو پکڑ لیں، ایسی صورت میں تو ہم بڑے ظالم ہوں گے)۔

مایوسی اور باہمی مشورہ

جب انھیں اِس طرف سے مایوسی ہو گئی اور اِس کا یقین آگیا کہ عزیز ان کی سفارش نہ سُنیں گے تو علیٰحدہ ہو کر آپس میں صلاح و مشورہ شروع کیا۔ اس وقت یہودا نے کہا:

یہودا کا فیصلہ

کیا تمھیں معلوم نہیں کہ ابا جان نے تم سے عہد لیا ہے، تمھیں قسم دی ہے کہ اپنے بھائی کو لے کر آؤ گے اور قسم پوری کرو گے۔ آج ہم ان سے کیا کہیں گے؟ آخر ہم اپنے بھائی کو کھو بیٹھے اور قسم توڑ دی ہے!

ابا جان کے دل پر یوسفؑ کی جُدائی کا جو زخم لگا ہے ابھی تک وُہی ہرا ہے، ہنوز ان کے آنسو خشک نہیں ہوئے، پہلے واقعہ

میں ہم جُرم کر ہی چکے تھے، دوسری مرتبہ بھی مجرم بن بیٹھے۔ (فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰی یَاْذَنَ لِیْٓ اَبِیْٓ اَوْ یَحْکُمَ اللّٰہُ لِیْ وَھُوَ خَیْرُ الْحٰکِمِیْنَ، اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓی اَبِیْکُمْ فَقُوْلُوْا: یٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَکَ سَرَقَ، وَمَا شَھِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا، وَمَا کُنَّا لِلْغَیْبِ حٰفِظِیْنَ، وَاسْئَلِ الْقَرْیَۃَ الَّتِیْ کُنَّا فِیْھَا وَالْعِیْرَ الَّتِیْٓ اَقْبَلْنَا فِیْھَا وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ۔ میں اِس سرزمین سے ہرگز نہ ہٹوں گا یہاں تک کہ ابّا جان مجھے اجازت دیں یا اللہ میرے لئے حکم دے، اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ تم اپنے ابّا جان کے پاس واپس جاؤ اور کہو: ابا جان! آپ کے بیٹے نے چوری کی، ہمیں تو جو کچھ معلوم ہوا ہے ہم وہی آپ سے کہہ رہے ہیں، ہم غیب کے پاسبان نہیں، آپ اس گاؤں کے لوگوں سے پوچھ لیجئے جس میں ہم رہے بسے تھے اور اس قافلے سے دریافت کر لیجئے جس کے ساتھ ہم آئے ہیں، بلاشبہ ہم سچے ہیں)۔

باپ کے حضور میں

چنانچہ نو بھائی کنعان روانہ ہو گئے، اپنے بڑے بھائی یہودا کو وہیں مصر میں چھوڑا اور باپ کے پاس پہنچے۔ انھوں نے بنیامین کو ان میں تلاش کیا اور نہ پایا تو ان کا دل بجھ گیا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے جگر کا کوئی ٹکڑا کھو گیا ہو۔ بیٹوں سے غمگین آواز میں کہا: "تم نے اپنے بھائی کے ساتھ کیا کیا؟ اپنی قسموں کا کیا حشر کیا؟"

ان بھائیوں نے اپنی سرگزشت بیان کی اور جو واقعہ پیش آیا تھا، باپ سے کہا۔ حضرت یعقوبؑ نے منہ پھیر لیا اور کہا: (بَلْ سَوَّلَتْ لَکُمْ اَنْفُسُکُمْ اَمْرًا، فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ، وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ۔ بلکہ یہ تو تمہارے دلوں نے ایک بات بنالی ہے اس لئے صبر ہی بہتر ہے، اور تم جو باتیں بنا رہے ہو، اس میں اللہ ہی مدد کرے گا)۔

میں اِس سے پہلے یوسف کو کھو چکا ہوں، آج بنیامین کو بھی کھو رہا ہوں اور یہودا کو بھی۔

(عَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّاْتِیَنِیْ بِھِمْ جَمِیْعًا اِنَّہٗ ھُوَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ۔ مجھے امید ہے کہ اللہ ان سب کو مجھ تک پہنچا دے، بے شک وہ بڑا علیم و دانا ہے)۔

حضرت یعقوبؑ کا حال

حضرت یعقوب علیہ السلام پر غم و آلام کی بوچھار جاری رہی۔ پے در پے صدموں نے نڈھال کر دیا، کسی وقت رنج سے سکون میسر نہ ہوتا۔ صرف دو وقت ایسے تھے جن میں غم سے فراغت نصیب ہوتی۔ ایک وہ وقت جب وہ اللہ کی جناب میں خضوع و خشوع کے ساتھ سر بسجدہ ہوتے، نمازیں پڑھتے اور عبادت میں مصروف رہتے۔ نمازِ تہجد ادا کرتے، اس سے صبر کی درخواست کرتے اور ایمان و یقین کی توفیق طلب کرتے، دوسرا وہ وقت جب وہ اکیلے میں خود اپنی ذات پر متوجہ ہوتے، اپنے دونوں بیٹوں کو خوب یاد کرتے اور گریہ و زاری کر کے تسلی پاتے۔ اس وقت اُن کے پپوٹے بھاری ہو جاتے اور آنسو بہتے رہتے۔ اس طرح وہ نماز اور ذکرِ الٰہی سے صبر اور ایمان کی دعا کرتے، اور گرم آنسوؤں سے راحت و اطمینان حاصل کرتے ؎

لَمْ یُخْلَقِ الدَّمْعُ لِامْرِیٍٔ عَبَثًا
اَللّٰہُ اَدْریٰ بِلَوْعَۃِ الْحَزَنِ

(وہ تو یہ کہیئے کہ آنسو بھی بڑے کام کی چیز، ورنہ سوزِ غم پنہاں کو خدا جانتا ہے)۔

ایک بیٹے کی اثر پذیری

اِس حالت میں آنسو بہاتے بہاتے ان کی آنکھیں سفید ہوگئیں سم لاغر ہوگیا، چہرہ مُرجھاگیا، سُوکھ کر کانٹا ہوگئے۔ اُن ہی دنوں میں ن کا ایک بیٹا ان کے پاس خواب گاہ میں آیا۔ دیکھا کہ باپ نماز اور عاؤں سے فارغ ہونے کے بعد سخت دردمندی کی حالت میں ہ فریاد کر رہے ہیں، اپنے دونوں بیٹوں کو یاد کر کر کے روتے یں اور یہ کہتے ہیں "ہائے یوسف!" ان کی آواز میں غضب کا رد اور غم بھرا ہوا ہے۔ اِس نظارہ سے حضرت یعقوبؑ کے اس بیٹے پر بڑا اثر ہوا، اُسے سخت دُکھ ہوا اور اُس نے اپنے بھائیوں کو بلایا تاکہ وہ بھی دیکھیں کہ حضرت یعقوبؑ کس طرح غم کے ہاتھوں ذیت اُٹھا رہے ہیں اور کتنی سخت تکلیف میں مبتلا ہیں۔

ایک بیٹے کا باپ سے خطاب

اُن میں سے ایک نے کہا "ابا جان! آپ ایک صاحب عظمت رسول اور برگزیدہ نبی ہیں، آپ پر وحی آتی ہے، آپ سے یمان اور ہدایت حاصل کی جاتی ہے، یہ کیا حالت ہے جس میں آپ نے خود کو ہلاکت میں ڈال رکھا ہے چاروں طرف سے غم اور صدمے آپ کو گھیرے ہوئے ہیں اور آپ خود سے ان میں گھلتے رہتے ہیں، کیا اتنے آنسو جو آپ نے اب تک بہائے ہیں جن سے آپ کی آنکھیں سفید اور بینائی تباہ ہو رہی ہے کافی نہیں ہیں؟ اور یہ لمبی لمبی سانسیں جو آپ نے غم کی حالت میں بھری ہیں، جن کی بدولت آپ کا جسم گھُل رہا ہے اور زندگی دوبھر ہو رہی ہے اکتفا نہیں کرتیں (تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوسُفَ حَتّٰى تَكُونَ حَرَضًا اَوْ تَكُونَ مِنَ الْهَالِكِينَ۔ بخدا آپ تو ہمیشہ یوسف ہی کی یاد میں لگے رہیں گے، یہاں تک کہ جاں بلب ہو جائیں گے یا جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے)۔

یعقوب علیہ السلام کا جواب

حضرت یعقوب علیہ السلام نے جواب دیا "تمھاری ملامت سے میری تکلیف بڑھ جاتی ہے، دل کی دبی ہوئی چوٹ اُبھر آتی ہے اور سوزِ غم میں سکون کی پوچھتے ہو تو وہ تو جب تک یوسف کو نہ دیکھوں گا، حاصل ہوتا نظر نہیں آتا، نہ اس سے پہلے آنسوؤں کے تھمنے کی کوئی اُمید ہے۔ رہا یوسف جسے تمھارے گمان کے مطابق بھیڑیا کھا گیا ہے یا موت نے ہڑپ کر لیا ہے، وہ تو میرے دل میں چھپے ہوئے احساس کے لحاظ سے زندہ ہے ہوا میں سانس لے رہا ہے اور آسمان کے نیچے موجود ہے، یہ بات مجھے اپنے قلبی شعور اور اللہ کے عطا کئے ہوئے عِلمی فیضان سے معلوم ہے لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ وہ کس راستے پر جا رہا ہے اور کہاں چلتا پھرتا ہے، مجھے اسی بات کا صدمہ ہے اور اسی کو سوچ سوچ کر کُڑھتا اور غم اُٹھاتا رہتا ہوں۔ اگر تم میرا دُکھ دُور ہی کرنا چاہتے ہو اور ان صدمات و آلام کو کم کرنے کے خواہاں ہو تو روئے زمین پر اِدھر اُدھر چل پھر کر یوسف کو صبر و سکون کے ساتھ تلاش کرو اور خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو (اِنَّهٗ لَا يَيْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ۔ اللہ کی رحمت سے تو صرف کافر ہی مایوس ہوتے ہیں)۔

برادرانِ یوسف کے دلی جذبات

یعقوبؑ جو باتیں کہہ رہے تھے، حضرت یوسف کے برادرانِ نامہربان اپنے دل میں اُن کی حرف بہ حرف تائید و تصدیق کر رہے تھے اور کیسے نہ کرتے یہی تو تھے جنھوں نے حضرت یوسفؑ کو کنوئیں میں ڈالا تھا اور ریگستانی میدان میں چھوڑ آئے تھے پھر یہ بات کچھ ایسی محال تو نہ تھی کہ وہ کنوئیں سے نکل آئے ہوں اور ریگستان سے اُن کی جان بچ گئی ہو؟ مگر یوسف ہے کہاں؟ کس مکان میں رہتا ہے؟ کونسی وادی اُسے اپنی آغوش میں لئے ہوئے

ہے؟ اللہ کی زمین تو اتنی وسیع ہے، اُسے تلاش کہاں کیا جائے؟
ان ملکوں اور شہروں کے وسیع و عریض سلسلوں میں کہاں کہاں
کھوج لگایا جائے؟ یہ تھے وہ خیالات جن میں یہ سرگرداں تھے، ان
بھائیوں کو یوسف علیہ السلام کی طرف سے تو ناامیدی ہی تھی لیکن
بنیامین کا ٹھکانا ضرور معلوم تھا اور اس کے صبح و شام بسر کرنے
کے محل و مقام سے واقف تھے، انھوں نے سوچا کہ عزیز کے
پاس جانا چاہئے اور اُس کے پاس پہنچ کر بنیامین کو واپس دینے کی
التجا و التماس کرنا چاہئے، امید ہے کہ اس مقصد میں کامیابی ہوگی
اور کم سے کم بنیامین کو ساتھ لے کر باپ کے پاس لوٹیں گے، تو ان
کے صدمات میں کچھ کمی ضرور ہو جائے گی۔

اب یہ لوگ تیسری مرتبہ مصر میں وارد ہوئے۔ اس وقت ان
کے دلوں میں امید اور ناامیدی کے درمیان کشمکش برپا تھی عزیزِ
مصر کے حضور میں پہنچے تو ذلّت و مسکنت کی تصویر بنے ہوئے تھے
چہرے سے انکسار اور عاجزی نمایاں تھی۔

عزیز مصر سے التجا

انھوں نے کہا: "اے عزیز! دیکھئے زمانہ ہمیں پھر آپ کے
پاس لوٹا کر لے آیا ہے اور چاہتا ہے کہ ہم عاجزی اور بے چارگی کے
عالم میں آپ کے سامنے کھڑے ہوں، اور آپ سے کچھ التجا کریں،
زمانہ کے انقلابات اور تغیرات محتاجِ بیان نہیں، یہاں ایسے
اُلٹ پھیر ہوتے ہی رہتے ہیں۔ ہم آپ کے پاس تھوڑی سی پونجی لیکر
آئے ہیں اور ایسی حالت میں آئے ہیں، جبکہ حال پتلا ہے، اور
زندگی تنگیوں کا نشانہ بنی ہوئی ہے، وقت کو ایک حالت پر قرار
نہیں۔ آپ چاہیں تو ہمیں ضرورت بھر کا غلّہ وغیرہ صدقہ کر سکتے ہیں

جس سے ہماری خستہ حالی کی اصلاح ہو جائے اور ہم لوگ سن
سکیں۔ اس کے بعد مزید احسان ہم پر یہ کر سکتے ہیں کہ ہمار
بھائی بنیامین کو آزاد کر دیں، اگر آپ نے یہ نیکی فرمائی تو بھائی
بھی بڑا سکون ہوگا اور اس کا باپ جو غموں اور صدموں میں گ
رہتا ہے وہ بھی کچھ چین پائے گا۔"

چونکہ ان واقعات کی صورت میں اللہ تعالیٰ حضرت ی
اور حضرت یعقوبؑ کو قضائے الٰہی پر ایمان رکھنے اور مصیبت
شدّت میں صبر کرنے کی صفات کا بہترین نمونہ بنا چکا تھا، اس
اب اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسفؑ کو اجازت دیدی کہ وہ ا
بھائیوں پر اپنے آپ کو ظاہر کر دیں، ان سے اپنا تمام حال
کر دیں، کرم و بخشش کی راہ سے اُن کی خطا کو معاف کر دیں
ان کی بُرائی سے درگزر کریں تاکہ کرم و درگزر اور عفو و بخشش
باب میں ایک فصل کا اور اضافہ ہو جائے۔

بھائیوں سے حضرت یوسف کا خطاب

حضرت یوسفؑ نے ان سے کہا "کیا تمھیں یاد نہیں کہ لڑک
اور جوانی کے آغاز میں تمھاری خواہش اور شیطان کے وسوسوں
تمھیں یوسف اور اس کے بھائی کے خلاف ایک چال چلنے پر آ
کیا تھا، یوسف کو کنوئیں میں ڈال دیا تھا اور اس کے بھائی
ساتھ طرح طرح کے مکر اور ایذا رسانی کا طریقہ اختیار کیا تھا؟
تم اُس دن کو بھول گئے جب تم میں سے کسی کے زیر دست ہا
یوسف کو پکڑا اور اس کے کمزور جسم کو کپڑوں سے پکڑ کے کھی
اُس نے التجائیں کیں، عاجزی کی، رویا اور گڑگڑایا، مگر تم نے
کی ایک نہ سُنی نہ تمھیں اس پر ذرا ترس آیا بلکہ اُلٹا تم نے اُسے کنو
کے اندر ڈال دیا اور تقدیر کے رحم و کرم پر اُسے تن تنہا چھو

عزیز مصر کے منہ سے یہ باتیں سُنیں تو برادرانِ یوسف شک و شبہہ میں پڑ گئے، وہ سوچنے لگے کہ یہ شخص تو ایسی باتیں یاد دلا رہا ہے جو واقع ہو چکی ہیں، اسے ان باتوں سے کس نے آگاہ کیا؟ یہ تو گزشتہ واقعہ کی تاریخ تک ظاہر کر رہا ہے، اس سے یہ حال کس نے بیان کیا ہوگا؟ کیا بنیامین نے؟ لیکن بنیامین اور تمام لوگ یوسف کے معاملے میں برابر ہیں۔ بنیامین ان کی حقیقتِ حال بالکل نہیں جانتا نہ ان کے کوئیں میں ڈالے جانے کا واقعہ اُسے معلوم ہے! اس کے بعد ان لوگوں نے کافی ظن و قیاس سے کام لیا اور آخر عزیز مصر کی طرف متوجہ ہوئے، اور ان کے چہرے پر غور کر کے ان علامتوں کو یاد کرنا شروع کیا جو یوسف کے لڑکپن کی نسبت ان کے ذہن میں محفوظ تھیں۔ جب وہ ان کے تمام خد و خال کا جائزہ لے چکے تو تھوڑی ہی دیر کے بعد ان میں سے ایک بھائی پکار اُٹھا ''کیا سچ مچ تم ہی یوسف ہو؟''

فوراً ہی حضرت یوسف نے جو عزیز مصر کی حیثیت میں تھے بنیامین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ''ہاں! (اَنَا یُوسُفُ وَ هٰذَا اَخِیْ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا، اِنَّهٗ مَنْ یَّتَّقِ وَیَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ۔ (میں یوسف ہی ہوں اور میرا بھائی بنیامین ہے۔ بے شک اللہ نے ہم پر احسان کیا ہے، جو شخص خدا سے ڈرتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا)۔

بھائیوں کی بوکھلاہٹ

یہ واقعہ سنتے ہی ان بھائیوں کے رنگ فق ہو گئے، پاؤں تلے سے زمین نکل گئی، دم بخود اور ساکت رہ گئے، چاہتے تھے کہ زمین شق ہو جائے اور یہ اس میں سما جائیں یا آسمان سے کوئی ستارہ ٹوٹ پڑے اور انھیں ختم کردے۔ مگر یوسف ؑ بڑے حوصلہ مند اور عالی ظرف تھے اور دل کے بہت فراخ! وہ یہ کیونکر گوارا کرتے کہ بھائیوں کے خوف کو اور طول دیں یا ان کی خطاکاری کا انتقام لیں، بہرحال یہ لوگ انھیں کے باپ کی اولاد اور ان کے بھائی تھے، اگرچہ یہ انھیں قتل کرنے کی نیت سے ایک دوسرے سے تعاون کر چکے تھے اور سب نے مل جل کر انھیں ٹھکانے لگانا چاہا تھا اور ان کے بھائی بنیامین پر بھی داؤ لگانا چاہتے تھے۔ آخر حضرت یوسف نے اُن سے کہا ''لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ، یَغْفِرُ اللّٰهُ لَکُمْ، وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ۔ (آج تم پر کوئی ملامت نہیں، اللہ تمہارے گناہ معاف کرے اور وہی سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے)۔

حضرت یعقوب ؑ کا حال

ادھر حضرت یعقوب علیہ السلام ایک زمانے تک آزمائش میں ڈالے جا چکے تھے اور ایسے ایسے امتحانوں سے گزرے تھے، جن کو برداشت کرنے سے پہاڑ تک عاجز تھے، اسی لئے اللہ تعالےٰ نے ان کو انبیاءؑ کے صحیفے میں اولو العزم، نیکوکار، پاکیزہ اور صاحبِ تحمل نبیوں میں شمار فرمایا۔ اِن صفات کے ثواب میں ان کے لئے عزت و جنت مقدر فرمائی اور چاہا کہ دنیا میں بھی انھیں اچھا بدلہ عطا کرے، تاکہ اللہ کی مخلوق میں سے جو بھی صبر کرے، اور آزمائش میں ڈالا جائے، اُسے یہ ثواب اور سرفرازی دیکھ کر نیک کاموں کی طمع ہو۔

ناگہانی سکون و راحت کا احساس

ایک دن حضرت یعقوب ؑ عبادت گاہ میں گئے نماز پڑھی اللہ کو یاد کیا، پھر جب تک اللہ کی مرضی ہوئی روتے رہے، پھر

یکایک اُن کا غم سکون سے بدل گیا، آنسو خشک ہوگئے اور روح کو راحت محسوس ہونے لگی۔ انھوں نے سوچا یہ کیسا عجیب احساس ہے اور کتنا خوشگوار شعور ہے؟ اس وقت ان کے دل کی گہرائیوں میں عجیب طرح کی فرحت اور خوشی کا نور جگمگا رہا تھا اور ایسی خوشگوار کیفیت محسوس ہو رہی تھی، جیسی انھیں اپنے گزشتہ زمانے میں محسوس ہو چکی تھی۔ یہ حالت اس کیفیت سے مشابہ تھی جو یوسف کے نظروں کے سامنے موجود ہوتے وقت پیدا ہوا کرتی تھی۔

حضرت یعقوبؑ نے اِس کیفیت کو واضح طور پر محسوس کیا اور مسرت و خوشی کے کامل احساس کے ساتھ پکار اُٹھے (اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ۔ میں یوسف کی مہک محسوس کر رہا ہوں) اور اس مہک نے میرے جذبات و خیالات میں ہلچل مچا دی ہے اور میرے قلب میں ایک عجیب قسم کی راحت و فرحت کارفرما ہے۔

یوسف کی قمیص

یعقوبؑ کا یہ وہم غلط اور ان کا احساسِ سکون و اطمینان حقیقت سے بعید نہ تھا۔ مصر سے ایک قافلہ روانہ ہو چکا تھا، جس کے ساتھ یوسف علیہ السلام کی قمیص تھی اور اسی لئے لائی جا رہی تھی کہ یعقوبؑ کو یوسف سے ملنے کی بشارت پہنچائے اور انھیں بصارت کی نعمت اور زندگی میں تازگی کی دولت عطا کرے۔

قافلہ ایک طویل مسافت طے کرنے کے بعد کنعان آیا۔ مژدہ رساں حضرت یعقوبؑ کے پاس پہنچا اور یوسفؑ کی قمیص یعقوبؑ کی نگاہوں کے سامنے رکھ دی۔ یکایک ان کی بینائی عود کر آئی اور حواس پوری طرح درست ہوگئے۔ ان لوگوں نے (جو حضرت یعقوبؑ کے بیٹے ہی تھے) باپ سے اپنی پوری سرگزشت بیان کی اور اس کے بعد باپ سے معافی مانگی اور رضامندی کی التجا کی۔

سفرِ مصر کی تیاری

حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا "تمہارا معاملہ میرے قابو کی بات نہیں، نہ مجھ میں تمہارے سر سے عذابِ الٰہی کے دفع کرنے کی طاقت ہے۔ مگر میں تمہارے لئے خدا سے بخشش اور مغفرت کا طالب ہوں، وہ غفور الرحیم ہے۔ چلو! اب اپنے اونٹوں کو سفر کے لئے تیار کرو، اب ہم سب کو مل کر عزیزِ مصر کی طرف کوچ کرنا چاہئے"

یوسفؑ والدین اور بھائیوں کے جھرمٹ میں

ایک دن یوسف علیہ السلام کیا دیکھتے ہیں کہ اُن کے والدین اور گیارہ بھائی ان کے سامنے موجود ہیں۔ ان لوگوں نے یوسفؑ کو حلقہ میں لے لیا، اور ان کی تعظیم کے طور پر سجدے میں جھک گئے اور خائف اور مرعوب کھڑے رہے۔ یہ دیکھ کر انھوں نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھائے، تاکہ خدا کی نعمتوں کا شکر ادا کریں اور اُس کے فضل و نعمت کا ذکر کریں۔ اس وقت انھوں نے کہا:

(رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ، وَعَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ، فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ۔ اے میرے رب! تو نے مجھے حکومت عطا کی اور خوابوں کی تعبیر کا علم بخشا، اے زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا مالک اور مولیٰ ہے، تو مجھے اسلام (اپنی اطاعت اور فرماں برداری) کی حالت میں وفات دے اور مجھے نیکوکاروں کے ساتھ ملا دے)۔

تفسیرِ محمدی (تفسیرِ ابن کثیر اُردو)

یہ علامہ ابن کثیرؒ دمشقی کی بلند پایہ و مشہور عالم تفسیر کا ترجمہ ہے۔ یہ تفسیر دنیائے اسلام میں بہترین اور مستند تسلیم کی گئی ہے ہر زمانے کے علماء نے اس کو قبولیت کا شرف بخشا ہے اور اُمّ التفاسیر کا لقب دیا ہے۔ اِس میں کوئی اختلاف نہیں کہ سب سے مفید سب سے زیادہ قرآنِ کریم کو بطریقِ سلف صالحین سمجھا دینے والی تفسیر "تفسیر ابن کثیر" ہی ہے اور اس کے بعد تمام عربی و اُردو تفاسیر اسی سے ماخوذ ہیں۔ علامہ ابن کثیرؒ سب سے پہلے تو کلام اللہ کی آیت کی تفسیر، کلام پاک کی دوسری آیات سے کرتے ہیں، پھر احادیث سے، پھر سلف صالحین سے۔ تمام احادیث و آثار کے حوالے بھی دیتے ہیں۔ اِس وجہ سے یہ تفسیر دنیا کی تمام تفسیروں سے اعلیٰ ہے۔

قیمت جلد اوّل؛ پارہ ۱ تا ۶ مجلد ۱۳/۸ ÷ قیمت جلد دوم؛ پارہ ۷ تا ۱۲ مجلد ۹/ ÷ قیمت جلد سوم؛ پارہ ۱۳ تا ۱۸ مجلد ۹/ ÷ قیمت جلد چہارم پارہ ۱۹ تا ۲۴ مجلد ۱۰/ ÷ قیمت جلد پنجم؛ پارہ ۲۵ تا ۳۰ مجلد ۱۲/۸ ÷ قیمت کامل ۵۵/ ÷

الگ الگ پاروں کا ہدیہ حسبِ ذیل ہو گا

پارہ نمبر	قیمت	پارہ نمبر	قیمت	پارہ نمبر	قیمت
۱	۳/۸	۱۱	۱/۸	۲۱	۲/-
۲	۲/۸	۱۲	۱/۸	۲۲	۲/-
۳	۲/-	۱۳	۱/۸	۲۳	۲/-
۴	۲/-	۱۴	۱/۸	۲۴	۲/-
۵	۲/-	۱۵	۲/-	۲۵	۲/-
۶	۲/۸	۱۶	۲/-	۲۶	۲/۸
۷	۲/-	۱۷	۱/۸	۲۷	۲/-
۸	۲/-	۱۸	۱/۸	۲۸	۲/-
۹	۲/-	۱۹	۱/۸	۲۹	۲/۸
۱۰	۲/-	۲۰	۱/۸	۳۰	۲/۸

ملنے کا پتہ } نور محمد۔ اصح المطابع و کارخانہ تجارت کتب۔ آرام باغ کراچی

جواہرِ حدیث

(ادارہ)

اللہ کے تین دشمن

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی ثَلَاثَۃٌ اَنَا خَصْمُھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ رَجُلٌ اَعْطٰی بِیْ ثُمَّ غَدَرَ، وَرَجُلٌ بَاعَ حُرًّا فَاَکَلَ ثَمَنَہٗ وَ رَجُلٌ اِسْتَاْجَرَ اَجِیْرًا فَاسْتَوْفٰی مِنْہُ وَلَمْ یُعْطِہٖ اَجْرَہٗ۔

(مسند احمد۔ صحیح بخاری)

(۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تین آدمیوں کا میں خود دشمن ہوں۔ ایک وہ آدمی جس نے میری قسم کھا کر وعدہ کیا اور پھر عہد شکنی کی۔ دوسرا وہ جس نے آزاد انسان کو فروخت کیا اور اُس روپے کو کھایا پیا، تیسرا وہ جس نے مزدور سے پورا پورا کام لینے کے باوجود اُس کو معاوضہ ادا نہیں کیا۔

جنتی اور دوزخی قاضی

قَاضِیَانِ فِی النَّارِ وَقَاضٍ فِی الْجَنَّۃِ: قَاضٍ عَرَفَ الْحَقَّ فَقَضٰی بِہٖ فَھُوَ فِی الْجَنَّۃِ وَقَاضٍ عَرَفَ الْحَقَّ فَجَارَ مُتَعَمِّدًا، اَوْ قَضٰی بِغَیْرِ عِلْمٍ فَھُمَا فِی النَّارِ۔

(مستدرک للحاکم)

(۲) دو قسم کے قاضی دوزخ میں جائیں گے اور ایک قسم کا قاضی جنت کا مستحق ہوگا۔ جو قاضی حق کو پہچان کر اور معاملے کو صحیح طور پر سمجھ کر حق کے مطابق فیصلہ کرے گا، وہ جنت میں جائے گا اور جو قاضی حق کو پہچاننے کے باوجود قصداً خلافِ حق فیصلہ کرے گا اور ظلم کرے گا اور یا وہ قاضی جو معاملہ کو سمجھے اور اُس کی تہہ تک پہنچے بغیر فیصلہ کرے گا، یہ دونوں قسم کے قاضی دوزخ میں جائیں گے۔

خدا تعالیٰ سے دُعا

قُلِ اللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَعَافِنِیْ وَارْزُقْنِیْ فَاِنَّ ھٰؤُلَاءِ تَجْمَعُ لَکَ دُنْیَاکَ وَاٰخِرَتَکَ۔

(مسند امام احمد، مسلم۔ ابن ماجہ)

(۳) اللہ سے یہ دُعا مانگا کرو کہ، اے اللہ! تو میری مغفرت فرما اور میرے حال پر رحم فرما اور میرے گناہوں کو معاف فرما اور میرے رزق میں وسعت عطا فرما، اس لئے کہ یہ تمام چیزیں تمہاری دنیا و آخرت کے لئے بہترین توشہ ہیں

نیک بخت انسان

کَفٰی بِالْمَرْءِ سَعَادَۃً اَنْ یُّوْثَقَ بِہٖ فِیْ اَمْرِ دِیْنِہٖ وَ دُنْیَاہُ۔

(ابن نجار، عن انس رض)

(۴) انسان کی نیک بختی کی صحیح علامت یہ ہے کہ لوگ دین و دنیا کے ہر معاملہ میں اس پر مکمل اعتماد و بھروسہ رکھیں۔

عمل کی تلقین

کُوْنُوْا لِلْعِلْمِ دُعَاۃً وَّ لَا تَکُوْنُوْا لَہٗ رُوَاۃً

(حلیۃ لابی نعیم)

(۵) علم کو صرف روایت کرنے (یا لکھنے) پر اکتفا مت کرو! بلکہ اُس پر عمل بھی کرو!

رسالہ نہ ملنے کی شکایت ۱۰ تاریخ تک دفتر میں آنی چاہئے ورنہ تعمیل سے معذوری ہے ——— (منیجر) —

مشاہیرِ صحابہؓ

(۲۲) (ادارہ)

عکرمہؓ بن ابی جہل

آپ عکرمہ بن ابی جہل مخزومی قرشی مشہور صحابی ہیں، آپ کے باپ ابوجہل کا نام عمرو بن ہشام ہے۔ ۸ھ میں فتح مکہ کے بعد ایمان لائے اِس سے پہلے آپ اپنے باپ (ابوجہل) کی طرح رسول اللہؐ کے سخت ترین دشمن تھے۔ مگر ایمان لانے کے بعد ان کا اسلام نہایت اچھا اور مضبوط ہوگیا۔ اسلام لانے کے بعد جہاد میں مصروف رہے، یہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ یا حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں جنگِ اجنادین یا مرج الصفر یا یرموک میں ۱۳ھ یا ۱۵ھ میں بہ عمر ۶۲ سال شہید ہوئے۔ رسول اللہؐ نے قبیلہ ہوازن کے صدقات پر آپ کو عامل مقرر فرمادیا تھا۔ فتح مکہ کے دن بھاگ کر یمن چلے گئے تھے۔ اس کے بعد ان کی بیوی اُمِّ حکیم بنت الحارث ان کے پاس پہنچ گئیں اور ان کو لے کر رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ جب آپ اسلام قبول کرنے کے لئے حاضر ہوئے تھے، تو رسول اللہ نے اِس طرح خوش آمدید فرمایا تھا کہ "مرحبا یا مراکب المہاجر" رسول اللہؐ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ "میں نے ابوجہل کا ایک خوشہ جنت میں (خواب میں) دیکھا ہے" جب عکرمہ ایمان لائے تو رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ "اے اُمِّ سلمہ! وہ یہی ہے" یعنی اس خوشہ سے مُراد عکرمہ ہی ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ نے آپ کو فتنۂ ارتداد اور جہادِ شام میں فوج کے ایک حصہ کا سردار مقرر کیا تھا۔

ایک روز عکرمہؓ نے رسول اللہؐ سے شکایت کی کہ جب میں مدینہ میں چلتا پھرتا ہوں تو لوگ کہتے ہیں کہ "یہ اللہ کے دشمن ابوجہل کا بیٹا ہے" یہ سُنکر آپؐ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوگئے اور اللہ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا کہ "لوگ سونے اور چاندی کی کانوں کی طرح ہیں، جو جاہلیت کے دَور میں اچھے تھے وہ اسلام لانے کے بعد بھی، جب کہ ان کو دین کی سمجھ آجائے، اچھے اور بہترین ہیں (اس لئے اے لوگو! تم کسی بُرے عنوان سے ان کا تذکرہ نہ کرو)۔

علاء بن عبداللہ

آپ علاء بن عبداللہ حضرمی مشہور مستجاب الدعوات صحابی ہیں۔ آپ حضرموت کے اصلی باشندے اور بنو امیہ کے حلیف تھے۔ رسول اللہؐ نے آپ کو بحرین کا عامل مقرر فرمایا تھا جس پر آپ رسول اللہؐ کے زمانے میں اور حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کے زمانۂ خلافت تک قائم رہے۔ یہاں تک کہ اوائلِ عہد فاروقی میں ۱۴ھ میں وفات پائی۔

بعض علماء کا قول ہے کہ حضرت عمرؓ نے آپ کو بصرہ کا والی مقرر فرمایا تھا۔ یہ بھی ایک قول ہے کہ آپ کی وفات ۲۱ھ میں واقع ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

علقمہ بن خالد

آپ علقمہ بن خالد اسلمی ہوازنی ہیں، یعنی عبداللہ بن ابی

اوفیٰ مشہور صحابی کے والد ماجد ہیں۔ آپ بیعتِ رضوان میں موجود تھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنی قوم کا صدقہ لے کر حاضر ہوئے تھے، جس پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ "اللّٰھم صلی علیٰ آل ابی اوفیٰ۔ (اے اللہ خاندانِ ابی اوفیٰ پر رحمت نازل فرما)"

عمرو بن الاخطب رضؓ

آپ عمر بن اخطب رضؓ انصاری خزرجی، ابوزید ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تیرہ غزوات میں شریک رہے۔ آپ کے سر پر رسول اللہ ﷺ نے دست مبارک پھیرا تھا۔ اور ان کو حسن وجمال (خوبصورتی) کی دعا دی تھی۔ چنانچہ آپ کا سن سو برس کے قریب پہنچ گیا تھا، مگر ان کے سر اور ڈاڑھی میں چند بال سے زیادہ سفید نہ تھے۔

عمرو بن امیہ رضؓ

آپ عمرو بن اُمیہ بن خویلد بن عبد اللہ ابو امیہ ضمری مشہور صحابی ہیں۔ یہی وہ صحابی ہیں جن کو طلسمِ ہوش ربا اور داستانِ امیر حمزہ کا ہیرو بنایا گیا ہے اور عمرو بن عیار کے نام سے اُن کے متعلق جھوٹے اور بے سروپا قصوں کا ایک طومار باندھا گیا ہے۔

آپ جنگِ اُحد کے بعد ایمان لائے تھے۔ غزوۂ اُحد اور بدر میں کفار کے ہمراہ شریکِ جنگ تھے۔ جب مسلمان اُحد سے واپس ہوئے تو آپ اسلام لائے۔ اسلام لانے کے بعد سب سے پہلی جنگ "بیر معونہ" میں مسلمانوں کے ساتھ شریک جہاد ہوئے تھے، اسی جنگ میں عامر بن طفیل کے ہاتھوں قید ہوگئے۔ پھر ان کی پیشانی کے بال کاٹ کر ان کو چھوڑ دیا گیا تھا۔ وہاں سے آزادی ملنے کے بعد برابر رسول اللہ ﷺ کی خدمت گزاری کرتے رہے۔ آپ سے رسول اللہ ﷺ وقتاً فوقتاً مختلف کام لیا کرتے تھے۔ حبشہ میں نجاشی کے پاس ۶ھ میں آپ کو رسول اللہ ﷺ نے قاصد بنا کر بھیجا تھا جس میں آپ نے نجاشی کو اسلام کی دعوت دی تھی۔ حضرت خبیب رضؓ کی لاش کو، جن کفار نے سخت اذیت کے ساتھ سُولی دی تھی اور لاش کو سُولی پر لٹکا رہنے دیا تھا۔ کفار کے قبضہ سے لے آنے کے واسطے بھی آپ ہی کو رسول اللہ ﷺ نے متعین فرمایا تھا۔ چنانچہ آپ کفار کو دھوکا دے کر بکمال احتیاط اور ہوشیاری سے ان کی لاش لے آئے۔

آپ کا شمار شرفائے مکہ اور عرب کے مشہور بہادروں اور شہسواروں میں تھا۔ ۶۰ھ سے کچھ قبل وفات ہوئی۔

عمرو بن حریث رضؓ

آپ عمرو بن حریث رضؓ قرشی مخزومی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت آپ کی عمر بارہ ۱۲ برس یا اس سے کچھ زائد تھی، آپ کے سر پر رسولِ کریم ﷺ نے دستِ مبارک پھیرا تھا۔ اور خرید وفروخت میں برکت کی دُعا کی تھی۔ چنانچہ آپ نے بہت کمایا اور کوفہ میں سب سے مالدار شخص آپ ہی تھے۔ مشہور ہے کہ آپ ہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے کوفہ میں گھر بنایا تھا۔ زیاد اور عبید اللہ بن زیاد کی نیابت میں کوفہ کے حاکم بھی مقرر ہوئے تھے۔ ۸۵ھ یا اس سے قبل وفات پائی۔

عمرو بن حزم رضؓ

آپ عمرو بن حزم انصاری نجاری مشہور صحابی ہیں۔ آپ کی کنیت ابوضحاک ہے۔ بوجہ صغر سنی غزواتِ بدر اور اُحد میں شریک نہیں ہوئے۔ غزوۂ خندق وغیرہ میں شریک تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو سترہ ۱۷ برس کی عمر میں ۱۰ھ میں نجران اِس لئے بھیجا تھا کہ وہاں کے لوگوں کو احکامِ شرعیہ بتائیں اور ان کے پاس نامہ گرامی بھی بھیجا تھا، جس میں فرائض اور دِیت اور زکوٰۃ کے احکام درج تھے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ آپ نے حضرت عمر رضؓ کی خلافت میں وفات پائی لیکن یہ صحیح نہیں، معتبر یہی ہے کہ آپ نے ۵۱ھ یا ۵۲ھ یا ۵۳ھ یا ۵۴ھ میں وفات پائی۔

عِلمِ حَدیث

(مولانا اشفاق الرحمٰن، کاندھلوی)

(۸)

حضرت ابوبکر رضؓ کے بعد حضرت عمر رضؓ کا طرزِ عمل بھی یہی تھا کہ کتاب اللہ
بعد سنّت کی طرف رجوع کرتے، بلکہ انھوں نے سنتِ رسولؐ کے
تھ سنتِ ابوبکر رضؓ کو بھی شامل کیا۔ چنانچہ انھوں نے خود اپنے
زِ عمل کو اِن الفاظ میں بیان کیا ہے:

انہ مضی لی صاحبان یعنی النّبی صلعم و ابابکر عملا وسلکا
یقا فانی ان عملت بغیرھما سلك فی غیر طریقھا۔ (طبقات ابن سعد
سلد ۳) "میرے دو ساتھی یعنی نبی کریمؐ اور ابوبکر صدیق رضؓ آگے جا چکے
د ان دونوں حضرات نے ایک طرزِ عمل رکھا اور ایک طریقہ مقرر کیا
ں اگر دونوں کے علاوہ دوسرے طرزِ عمل پر چلوں گا تو وہ طرزِ عمل
لو اُن کے طریقے سے جدا کردے گا۔"

حافظ ابن القیم حضرت ابوبکر رضؓ کا وہ طرزِ عمل جو ہم نے اوپر
ن کیا، ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وکان عمر یفعل ذٰلك فاذا اعیاہ ان یجد ذٰلك فی کتاب
ب و السنّۃ ھل کان ابوبکر قضی فیہ بقضاء فان کان لابی بکر
ضاو قضی بہ و الاجمع علماء الناس و استشارھم فاذا اجتمع
یھم علی شیٔ قضی بہ (اعلام الموقعین جلد ۱) یعنی حضرت عمر رضؓ بھی
سا ہی کرتے تھے (یعنی اول کتاب پھر سنتِ رسول پر عمل) اور جب کتاب
للہ اور سنّتِ رسول اللہ میں کچھ نہ ملتا، تو لوگوں سے دریافت کرتے
ہ ایسا کوئی قضیہ حضرت ابوبکر رضؓ کے سامنے بھی ہوا، اور اس میں کیا
فیصلہ کیا؟ اگر کوئی ایسا فیصلہ مل جاتا تھا تو اسی کے موافق کرتے تھے، ورنہ علماء کو جمع کرکے مشورہ کرتے، جب ان کی رائے کسی بات پر متفق ہو جاتی تھی تو اُس کے موافق حکم دیتے۔

حضرت عمر رضؓ نے سنتِ رسول اللہ کے بعد سنتِ ابوبکر کو بھی اپنے طریقِ کار کا ماخذ بنایا۔

حضرت عمر رضؓ قضات کو عہدۂ قضاء پر مامور فرمانے کے بعد خاص طور سے کتاب اللہ اور اس کے بعد سنتِ رسول اللہ کے مطابق فیصلہ کرنے کی ہدایت فرماتے، چنانچہ جب قاضی شریح کو کوفہ کا قاضی مقرر فرمایا تو یہ ہدایت کی:

انظر ما یتبین لك فی کتاب اللہ فلا تسأل عنہ احدا! وما لم یتبین لك فی کتاب اللہ فاتبع فیہ سنۃ رسول اللہ وما لم یتبین لك فیہ سنۃ فاجتہد فیہ رأیك۔ (اعلام الموقعین جلد اول) "غور کرو! اگر کتاب اللہ میں تم کو حکم مل جائے تو کسی سے اس کے متعلق مت پوچھو اور جو حکم کتاب اللہ میں نہ ملے تو اس میں سنتِ رسول اللہؐ کا اتباع کرو، اور جس حکم کے متعلق تم کو سنت میں بھی رہنمائی نہ ملے تو پھر اس میں اجتہاد کرو۔"

حضرت عمر رضؓ کا یہی طرزِ عمل رہا یہاں تک کہ شہادت کے وقت یہ دعا کی۔

اللّٰھمّ انّی اشھدك علی امراء الامصار فانی انما بعثتھم

لیعلموا الناس دینھم و سنۃ نبیھم۔ (طبقات: جلد ۳)

"اے اللہ! میں آپ کو ملکوں کے حکام پر گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اُن کو اس واسطے بھیجا تھا کہ وہ لوگوں کو دین اور نبی صلعم کی سنت کی تعلیم دیں۔" (طبقات ابن سعد)

پس حضرت عمرؓ خود بھی سنت کو حجت سمجھتے تھے اور تمام ممالک میں اُس کی تبلیغ و تعلیم کو اپنا فرضِ منصبی سمجھتے تھے۔

شیبہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ جب کہ وہ میرے پاس مسجد حرام میں بیٹھے تھے، فرمایا کہ میں نے ارادہ کرلیا ہے کہ کعبہ کا سب خزانہ مسلمانوں میں تقسیم کردوں گا اور اس گھر میں کچھ نہ رکھوں گا۔ میں نے کہا کہ آپ کو اِس کا کیا حق ہے؟ انھوں نے کہا کیوں؟ میں نے کہا اِس واسطے کہ آپ کے دونوں پیش رو (حضورؐ اور ابوبکرؓ) نے ایسا نہیں کیا۔ فرمایا کہ میں ان ہی دونوں حضرات کی اقتدا کرتا ہوں۔ (بخاری جلد ۲)

سعید بن المسیبؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے انگلیوں کی قطع کی دیت میں ایک بار کوئی فیصلہ کیا، اس کے بعد اس کے متعلق حضور صلعم کے حکم کا حوالہ دیا گیا، جو حضورؐ نے ابنِ حزم کو دیا تھا، تو حضرت عمرؓ نے اپنا فیصلہ منسوخ کردیا۔ (سیرۃ ابن الخطاب لابنِ جوزی)۔

حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ ایک پاگل زانیہ عورت پر حد قائم کرنی چاہی۔ جب حضرت علیؓ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے کہا کہ میں نے حضورؐ سے سُنا ہے کہ تین شخص مرفوع القلم ہیں، منجملہ اُن کے ایک مجنون ہے جب تک کہ وہ ہوش میں نہ آجائے۔ یہ حدیث سُنکر حضرت عمرؓ نے اس عورت کو چھوڑ دیا۔ (مسند احمد۔ ابوداؤد)

حضرت عمرؓ نے حجرِ اسود کو بوسہ دیا، پھر فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ تو کسی کو فائدہ یا نقصان نہیں پہنچا سکتا، لیکن چونکہ جناب رسول اللہ صلعم نے تجھ کو بوسہ دیا ہے لہٰذا میں بھی دیتا ہوں۔ (بخاری و مسلم)۔

اکثر ایسا ہوتا تھا کہ حضرت عمرؓ جب کوئی صورت پیش آتی تو مجمعِ عام میں کھڑے ہو کر پوچھتے کہ اس صورت کے متعلق کسی کو کوئی حدیث معلوم ہے۔ تکبیرِ جنازہ، غسلِ میت، جزیۂ مجوس اور اسی قسم کے صدہا مسائل کے متعلق آپ نے صحابہؓ سے پوچھ کر احادیث کا پتہ لگایا، جن کی تفصیل کتبِ احادیث میں مذکور اور مسطور ہے۔ البتہ بلا پوری تحقیق کے کسی روایت کے قبول کرنے میں جلدی نہ کرتے تھے اور یہی ہے بنا ان روایتوں کی جن کو منکرینِ حدیث پیش کرتے ہیں۔ باقی مفصل بحث و تنقید آئندہ کریں گے، لیکن یہ کہنا کہ شیخین ابوبکر و عمرؓ حدیث کو حجت نہ سمجھتے تھے، سراسر دھوکا اور بہت بڑا بہتان ہے۔

صغار صحابہ

یہ دورِ حکومت حضرت معاویہؓ یعنی ۴۱ھ سے شروع ہوا، اور اُس وقت تک قائم رہا جب عربی سلطنت میں ضعف کے آثار ظاہر ہونے لگے، یعنی دوسری صدی کے آغاز تک۔ اس دور میں مسلمانوں کے اندر سیاسی حیثیت سے فرقہ بندیاں قائم ہوگئی تھیں، جو لوگ حضرت معاویہؓ اور ان کے خاندان سے بغض و اختلاف رکھتے تھے وہ ۲ گروہ میں منقسم ہوئے، خارجی اور شیعی۔ اُن کے مقابلہ میں طرفدارانِ معاویہ اور عام مسلمان۔

علماءِ اسلام عام طور پر اسلامی شہروں میں پھیل گئے چنانچہ مدینۂ منورہ سے نکل کر بعض صحابہ نے معلم اور بعض نے تاجر کی حیثیت سے دوسرے اسلامی شہروں میں سکونت اختیار کرلی تھی تاکہ

...نے شہر اُن کے وطن تسلیم کر لئے گئے اور اُن کی تعلیم و ارشاد کے ذریعہ سے کبار تابعین کی ایک جماعت پیدا ہو گئی جو فتاوے میں ان کی شریک ہوئی اور خود صحابہ نے بھی ان کے حقِ شرکت کو تسلیم کیا اور انھوں نے اپنی علمی مشغولیت اور اپنے اجتہاد کے ذریعہ سے جو درجہ حاصل کیا تھا، اس کو بلند کر دیا۔ اگر مکہ اور مدینہ کی مسلمانوں کے دلوں میں عام وقعت نہ ہوتی، اگر مکۂ معظمہ حج کا مقام نہ ہوتا، اور مختلف العقیدہ اور مختلف المیلان مسلمان وہاں آمد و رفت نہ رکھتے تو دور دراز شہروں کے علماء میں علمی تعلق قائم نہ ہو سکتا

روایتِ حدیث کی رکاوٹ کا سبب ہی دُور ہو چکا تھا اِس لئے روایتِ حدیث کا عام رواج ہو گیا۔ چنانچہ خلفاء راشدین کے بعد جو صحابۂ کرام موجود تھے اُن کے پاس دوسرے شہروں سے لوگ فتوے اور تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے آتے تھے۔ تمدّن کی وسعت نے بہت سی نئی ضرورتیں پیدا کر دی تھیں، جن کے احکام کے متعلق ان کو مجبوراً تحقیقات کرنی پڑتی تھی، اور اِس حالت میں صحابہؓ اور ان کے شرکائے فتوے یعنی کبار تابعین کے سوا اُن کا کوئی دوسرا ٹھکانا نہ تھا اِس لئے ان حدیثوں کے ذریعہ سے جو اُن کو یاد تھیں ان کو فتوے دینا پڑتا تھا۔ لیکن ان میں بعض حدیثوں کو تو انھوں نے براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا تھا اور بعض حدیثیں کبارِ صحابہ سے سُنی تھیں۔

اِس دَور کے اصحابِ فتاوے سے حدیثوں کی ایک بہت بڑی تعداد روایت کی جاتی ہے۔ چنانچہ ان میں سے بعض مفتیوں کی حدیثیں ہزاروں سے زائد ہیں۔ لیکن کسی ایک شہر بلکہ کسی ایک کتاب میں یہ حدیثیں مجموعی طور پر نہیں پائی جاتی تھیں کیونکہ جو صحابہ فتوے دینے والے تھے وہ جیسا کہ ہم لکھ چکے مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے تھے، اس لئے جو بزرگ جس شہر میں آئے اُس کے باشندوں نے روایت کی اور اس لئے ایک شہر میں جن حدیثوں کی روایت کی گئی، دوسرے شہر والوں کو نہ مل سکی، اور اِس موقع پر مختلف شہروں کے علماء کے درمیان علمی تعلقات قائم ہونے میں سب سے زیادہ خانۂ کعبہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ غرضیکہ اِن تینوں بُنیادی امتیازی خصوصیات نے فتووں میں بہت سے اختلافات پیدا کر دیئے اور ان میں ہر ایک خصوصیت اختلاف کے پیدا کرنے کا قوی سبب بن گئی۔ مثلاً ان خصوصیات نے شیعوں کے لئے الگ، خوارج کے لئے الگ، اور تمام امت کے لئے الگ الگ فتاوے پیدا کر دیئے، جو باہم ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

اس زمانہ میں احادیث کی روایت میں جھوٹ کا بھی رواج ہوا اور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کو اِسی کا خوف و خطرہ تھا چنانچہ امام مسلم نے صحیح مسلم کے مقدمہ میں اس سلسلے کے بعض واقعات پر تبصرہ فرمایا ہے۔

اس وقت نے آئندہ دَور میں اہلِ حدیث کے کام کو بہت زیادہ سخت کر دیا اور اہلِ بصیرت سے مخفی نہیں کہ انھوں نے ان آمیزشوں سے صحیح احادیث کو کیونکر پاک کیا اور اُن کو اِس معاملہ میں کس قدر کامیابی ہوئی اور اس امر کے باعث نقد و انتقاد کے ضوابط و اصول تجویز فرما کر موضوعات کو بالکل بے نقاب کر ڈالا۔

محدثین حضرات نے صحتِ حدیث کا یہ ضابطہ تجویز فرمایا کہ حضورؐ کے قول و فعل نقل کرنے والا صحابی ہو اور صحابی تک تمام سلسلۂ سند کے راویوں کا نام بہ ترتیب بتایا جائے، اس کے ساتھ یہ بھی تحقیق کی جائے کہ جو شخص سلسلۂ روایت میں تھے، کون لوگ تھے، کیسے تھے، کیا مشاغل تھے، چال چلن کیسا تھا، حافظہ کیسا تھا، سمجھ کیسی تھی، ثقہ تھے

یا غیر ثقہ، سطحی الذہن تھے یا دقیقہ سنج، عالم تھے یا جاہل؟ وغیرہ۔

اِن جزئی باتوں کا پتہ لگانا سخت مشکل بلکہ ناممکن تھا، سیکڑوں ہزاروں محدثین نے اپنی عمریں اس میں صرف کردیں، ایک ایک شہر میں گئے راویوں سے ملے ان کے متعلق ہر قسم کی معلومات بہم پہنچائیں جو لوگ ان کے زمانے میں موجود نہ تھے ان کے دیکھنے والوں سے حالات دریافت کئے، اِس تحقیقات کے نتیجے میں "اسماء الرجال" کا وہ عظیم الشان فن تیار ہوگیا، جس کی بدولت آج ہم کو لاکھوں شخصوں کے حالات معلوم ہو سکتے ہیں۔

محدثین نے حالات کے بہم پہنچانے میں کسی شخص کے رتبہ اور حیثیت کی پروا نہ کی، بادشاہوں سے لے کر بڑے بڑے مقتداؤں تک کی اخلاقی سُراغ رسانیاں کیں اور ایک ایک کا بے لاگ تجزیہ کیا۔ اِس سلسلہ میں سیکڑوں تصانیف مرتب ہوئیں۔

پھر موضوعات کے نقد و انتقاد کے لئے ابن جوزی نے درایت کے دس اصول اور ملّا علی قاری نے بارہ اصول تحریر فرمائے ان اصول کے خلاف ہونے کی صورت میں روایت اعتبار کے قابل نہ ہوگی اور اُس کے متعلق اس تحقیق کی ضرورت نہیں کہ اس کے راوی معتبر ہیں یا نہیں۔

جب حدیثیں وضع ہونے لگیں تو ائمہ دین نے اصولِ روایت و درایت کو وسعت دی اور اِس سختی کے ساتھ جانچ کی کہ سب کی قلعی کھُل گئی، نتیجہ یہ ہوا کہ واضعین کے نام تک ظاہر کر دیئے، ان کے قائم کردہ اصولوں نے خود واضعین کو اقرارِ وضع پر مجبور کیا۔ موضوع حدیثوں کو بھی قلم بند کیا۔ جن کتابوں میں موضوع حدیثیں ہیں ان کے نام بھی بتلا دیئے، واضعین کو بھی شمار کرایا اور شناختِ موضوعات کے اصول بھی مقرر فرمائے۔

پس اِس بنا پر کہ احادیث میں کذب و افترا اور وضع بھی ہوا ہے، تمام حدیثیں متروک نہیں ہو سکتیں۔ مانا کہ واضعین نے احادیث وضع ہی کی ہیں، مگر کیا اس کا نتیجہ یہ ہونا چاہیئے کہ اُن کے جرم کی پاداش میں صادقین کے اقوال کو بھی جھوٹ سمجھ لیا جائے؟ یہ کونسی معقول بات ہے کہ اگر دنیا کے چند جھوٹوں نے جھوٹ بولا ہے، اس لئے اب کسی سچے سے سچے شخص کی بات پر بھی اعتبار نہ کرنا چاہیئے۔

اہلِ رائے اور اہلِ حدیث

اِس دَور میں رائے اور حدیث کے درمیان اختلاف ہوا اور ان دونوں میں ہر ایک الگ الگ اصول کے حامی ہوئے۔ ہم اوپر بیان کر چکے کہ کبار صحابہ اپنے فتوؤں میں پہلے قرآن پاک، پھر احادیث پر اعتماد کرتے تھے، لیکن جب ان دونوں میں کوئی حکم نہ ملتا تھا تو رائے کے ساتھ جس کو وسیع معنی میں "قیاس" کہا جا سکتا ہے، فتوے دیتے تھے، لیکن رائے کی طرف ان کا میلان بہت زیادہ نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ اُن سے رائے کی بُرائی بھی منقول ہے۔

یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ انھوں نے جس رائے کی بُرائی کی ہے وہ اس رائے سے الگ ہے، جس پر انھوں نے عمل کیا ہے اِس لئے قابلِ ذم رائے اگر ہے تو یہ ہے کہ فتوے میں خواہشِ نفس کی پیروی کی جائے اور اس کی اسناد دین کی کسی اصل کی طرف نہ ہو، اور قابلِ ستائش رائے وہ ہے جس کو حضرت عمر رضؓ نے اپنے قاضی کے لئے ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے کہ "ہم صورت اور ہم شکل واقعات کو معلوم کرو، پھر ان سے قیاس کرو، کیونکہ اس صورت پر عمل کرنا درحقیقت قرآن و حدیث کے عقلی مفہوم پر عمل کرنا ہے"۔

شیخین (ابوبکر و عمر رضؓ) جب کسی حکم کے متعلق ایک جماعت سے مشورہ لیتے اور وہ لوگ اپنی رائے سے مشورہ دیتے تو لوگ اس پر

عمل کرتے، اِس طریقہ کا نام "اجماع" تھا۔

الغرض جب یہ دوسری نسل پیدا ہوئی اور یہ دَور آیا تو اُن میں کچھ لوگ ایسے ہوئے جو فتوے کو صرف حدیث تک محدود رکھتے تھے، اور اس سے آگے نہ بڑھتے تھے۔ یہ لوگ ہر مسئلہ میں انھیں حدیثوں کی رُو سے فتوے دیتے تھے جو اُن کو ملتی تھیں۔ خود ایسے روابط موجود نہ تھے جو باہم مسائل کی شیرازہ بندی کر سکیں، لیکن ان میں ایک گروہ ایسا بھی موجود تھا جو شریعت کو ایک عقلی اور اصولی چیز سمجھتا تھا۔ اگرچہ یہ لوگ بھی حتی المقدور عمل بالکتاب والسنہ میں پہلے لوگوں سے مخالف نہ تھے، تاہم چونکہ یہ اعتقاد تھا کہ شریعت کے عقلی وجوہ سمجھ میں آسکتے ہیں اور وہ ایسے مضبوط اصول پر قائم ہے جو خود قرآن و حدیث سے ماخوذ ہیں، اِس لئے جب ان کو قرآن و حدیث میں کوئی تصریح نہیں ملتی تھی تو اوّل الذکر گروہ کی طرح ان کو رائے سے فتویٰ دینے میں کوئی باک نہ تھا۔ اس کے علاوہ یہ لوگ احکام شرعیہ کے علل و اسباب اور ان کے مقاصد و اغراض کو سمجھنا چاہتے تھے اور بسا اوقات اصولِ شریعت کے مخالف ہونے کی بنا پر بعض حدیثوں کو، بالخصوص جب دوسری حدیثیں ان کے مخالف اور معارض ہوتی تھیں رَدّ کر دیتے تھے۔ اہلِ عراق میں اس اصول کا زیادہ رواج ہوا۔

اہلحدیث اور اہلِ رائے کا مسلک یہ تھا کہ اول گروہ صرف ظواہر نصوص سے غرض رکھتا تھا اور ان کے علل و اسباب سے بحث نہیں کرتا تھا اور رائے سے بہت کم فتوے دیتا تھا۔ لیکن جو لوگ اہل الرائے تھے وہ مفہوم عقلی پر بھی عمل کرتے تھے اور عین مدلول نص خیال کرتے تھے۔ وہ احکام کے علل و اسباب کا بھی سراغ لگاتے تھے۔ اصول کے ذریعہ سے باہم مسائل کی شیرازہ بندی کرتے تھے

ملکی تقسیم کے لحاظ سے اکثر اہلِ حجاز اہلِ حدیث اور اکثر اہلِ عراق اہلِ رائے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ربیعہ نے حضرت سعید بن المسیبؓ سے حکم کی علت دریافت کی، تو انھوں نے کہا کہ تم عراقی تو نہیں ہو؟

فقہائے عراق میں جن لوگوں نے رائے اور قیاس میں شہرت حاصل کی، ان میں ابراہیم بن یزید النخعی الکوفی، فقیہ عراق بہت شہرت رکھتے ہیں۔ ابراہیم کوفہ کے محدّث اور عالم تھے حضرت عامر بن شراحیل الشعبی کے معاصر تھے، لیکن دونوں کی حالتیں بالکل الگ الگ۔ یعنی شعبی بالکل اہلِ حدیث تھے۔

حضرت ابراہیم نخعی اور ان کے ہم مشرب تمام فقہائے عراق اور بعض فقہائے مدینہ بھی اگرچہ فتاوے میں قرآن و حدیث پر اعتماد کرتے ہیں۔ البتہ جن مسائل میں انھوں نے قرآن و حدیث کا کوئی صریح حکم نہیں پایا ان کے استنباط کے لئے انھوں نے انہی مصالح کو سنگِ بنیاد قرار دیا۔ کبار صحابہ کی بہترین مثال ان کے سامنے تھی۔ چنانچہ صحابہ کے سامنے بہت سے ایسے مسائل پیش ہوئے جن کے متعلق قرآن و حدیث کی کوئی تصریح موجود نہ تھی، تو انھوں نے ان میں قیاس سے کام لیا اور ان کی یہ آراء انہی مصالح کا لحاظ کرنے کا نتیجہ تھیں۔

اہل الرائے پر اہلِ حدیث کا یہ اعتراض تھا کہ وہ اپنے قیاسات کی بنا پر حدیثوں کو چھوڑ دیتے ہیں، لیکن بصیرت سے اگر دیکھا جائے تو یہ ان پر اتہام ہے۔ ہم کو اہل الرائے میں کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا، جس نے اس حدیث پر جو اُس کے نزدیک ثابت ہو گئی ہو قیاس کو ترجیح دی ہو۔ البتہ بعض اہل الرائے ایسے ضرور تھے جن سے یا تو مسئلہ میں کسی حدیث کی روایت ہی نہیں کی گئی یا روایت

تو کی گئی، لیکن انھوں نے اس کی سند پر اعتماد نہیں کیا اور اپنی رائے سے فتوے دیدیا۔ اِس لئے یہ فتوے بسا اوقات اس حدیث کے مخالف ہوتا تھا جو اُن کو معلوم نہ تھی یا معلوم تو تھی لیکن انھوں نے اس روایت پر اعتماد نہیں کیا تھا۔ یا ایک حدیث جو اُن کی نگاہ میں اس حدیث سے قوی تر تھی اس کے مخالف تھی۔

بغیر اس کے کہ ہم فقہاء عراق اور فقہاء حجاز کے درمیان اس گفتگو پر کسی قسم کا ردّ و قدح کریں، یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ دونوں جب قابلِ اعتماد روایت پا جاتے تھے تو حدیث کی حد سے آگے قدم نہ بڑھاتے تھے۔

اس زمانہ میں اور کبار صحابہ کے عہد میں حدیث ہی قرآن کی مکمل تفسیر تھی، یہ بات بالکل جدا ہے کہ کبار صحابہ کسی مصلحت کے باعث کتابت حدیث یا کثرتِ حدیث یا ہر کس و ناکس کی روایتِ حدیث کو صحیح باور نہ کرتے ہوں۔

اس دَور (صغار صحابہ) کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ، اس میں مفتیوں کے دو فرقہ ہو گئے تھے، اہلِ حدیث اور اہل الرائے اور اس دَور میں حدیثوں کی بھی بہ کثرت روایت کی جاتی تھی اور تابعین کا ایک گروہ صرف اسی کام میں لگا ہوا تھا۔ تاہم وہ اب تک کسی مجموعہ کی صورت میں مدّون نہیں ہوئی تھیں۔

لیکن چونکہ تمام لوگ یہ سمجھتے تھے کہ حدیثیں قرآن مجید کی وضاحت کرکے دین کی تکمیل کرتی ہیں اور عام مسلمانوں میں کوئی اِس رائے کا مخالف نہ تھا اِس لئے عقلاً یہ حالت دیر تک قائم نہیں رہ سکتی تھی۔

چنانچہ دوسری صدی ہجری کے آغاز میں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس کمی کو محسوس کیا اور اپنے عامل و قاضی مدینہ حضرت ابوبکر بن عمرو بن حزام رض کو لکھا کہ رسول اللہ صلعم کی جو حدیثیں ملیں اُن کو لکھو، کیونکہ مجھ کو علم اور علماء کے فنا ہو جانے کا خطرہ ہے۔ امام محمدؒ نے امام مالکؒ کے واسطہ سے مؤطا میں یہ روایت کی ہے۔ لیکن ابونعیم نے تاریخ اصبہان میں یہ روایت کی ہے کہ انھوں نے تمام ملک کے لوگوں کو لکھا کہ احادیث رسول اللہ صلعم کی تلاش کرو اور ان کو جمع کرو۔

اِس دَور میں محمد بن مسلم بن شہاب زہری نے جو اکابر حفاظ حدیث میں تھے، حدیث کے لکھنے اور لکھوانے میں اور لوگوں سے خصوصی امتیاز حاصل کیا۔

صحیح ترمذی شریف اُردو

صحاح ستہ کی تیسری کتاب "جامع ترمذی" کے مؤلف امام ابو عیسیٰ محمد ترمذیؒ بڑے پایہ کے محدث تھے اور امام بخاریؒ کے سب سے مشہور تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں، محدثین ان کو امام بخاریؒ کا خلیفہ بھی کہتے ہیں آپ نے طلب حدیث کے لئے کوفہ، بصرہ، رےؔ، خراسان اور حجاز وغیرہ کا سالہا سال سفر کیا۔

آپ نے اپنی کتاب "صحیح ترمذی" میں چند خصوصیات رکھی ہیں جو احادیث کی دوسری کتب میں نہیں پائی جاتیں۔

۱۔ امام ترمذیؒ کو جو حدیث جس صحابی سے پہنچی ہو اُن صحابی کا نام وغیرہ بیان کردیا ہو تاکہ اس حدیث کے متواتر، مشہور اور احاد ہونے کا علم ہو جائے، اور کوئی شبہ واقع نہ ہو۔

۲۔ جو احادیث مختلف فیہ مسائل کے متعلق درج کی ہیں، اُن میں علماء اور مذاہب ائمہ کے اختلاف کو بھی بیان کردیا ہو۔

۳۔ احادیث کے راویوں کی قوت اور ضعف کا ذکر کیا ہو یعنی راویِ حدیث کی شخصیت کو واضح کیا ہو کہ وہ کس درجہ کا قوی یا کمزور و ضعیف ہے۔

۴۔ اس کی ترتیب سب سے بہتر ہے اور اس کے فوائد سب سے زیادہ اور مکررات تمام کتبِ احادیث سے کم ہیں۔

اِن وجوہات کی بنا پر مجموعی حدیثی فوائد کے لحاظ سے ترمذی کو تمام کتب پر فوقیت دی گئی ہے اگرچہ یہ کتاب اپنے حجم کے اعتبار سے مختصر ہے لیکن فوائد کی بنا پر بہت بڑی کتاب ہے۔

امام ترمذیؒ کا اپنا قول ہو کہ "میں نے اِس کتاب کو علماءِ حجاز، عراق و خراسان کے سامنے پیش کیا اور سب نے اِس سے اتفاق کیا اور اِس کتاب میں دو حدیثوں کے علاوہ کوئی حدیث ایسی نہیں ہو جس پر امت میں کسی نہ کسی فقیہہ کا عمل نہ ہو"

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ "جس شخص کے مکان میں یہ کتاب موجود ہو، پس یہ سمجھنا چاہئے کہ اس کے ہاں ایک نبی موجود ہیں جو گفتگو فرما رہے ہیں"

صحیح ترمذی میں تقریباً چار ہزار احادیث جمع ہیں "نور محمد، اصح المطابع" نے اپنے زیر اہتمام نہایت نفاست کے ساتھ ۲ جلدوں میں طباعت کا بندوبست کیا ہو۔ جلد اوّل طبع ہو کر تیار ہو جلد دوم زیر طبع ہو۔ قیمت مجلد جلد اوّل ۸/-

نور محمد۔ اصح المطابع و کارخانہ تجارت کتب۔ آرام باغ فریئر روڈ۔ کراچی

مردِ مومن

(آغا صادق)

(۱)

سرودِ ازل کی نوا مردِ مومن زمیں پر ہے ظلِّ خدا مردِ مومن
نمائندۂ انبیا مردِ مومن ہے آئینۂ حق نما مردِ مومن
نمونہ یہی حُسنِ تقویم کا ہے
شہنشاہ یہ ہفت اقلیم کا ہے

(۲)

حریمِ صداقت کا معمار ہے یہ سعادت کے لشکر کا سالار ہے یہ
جہالت سے مصروفِ پیکار ہے یہ شرارت کی گردن پہ تلوار ہے یہ
اسی سے ہے انصاف کا بول بالا
اندھیروں میں ہے اس کے دم سے اُجالا

(۳)

پیامی ہے عالم میں امن واماں کا یہ حامی ہے دنیا میں ہر ناتواں کا
محافظ حقوقِ زمین وزماں کا زمیں پر ہے، اور رازداں آسماں کا
بناتا ہے یہ عرش تک شاہراہیں
فرشتوں کی پڑتی ہیں اس پر نگاہیں

(۴)

خدا کی زمینوں کو سر کرنے والا مہالک میں سینہ سپر کرنے والا
کڑی منزلوں سے گزر کرنے والا پہاڑوں کے سینوں میں گھر کرنے والا
سرِ عرشِ اعلیٰ رسائی ہے اسکی
خدا کا ہے یہ، تو خدائی ہے اس کی

(۵)

عمل کو عمل کی جزا جانتا ہے مصیبت کو ایماں فزا جانتا ہے
قضا کو رضائے خدا جانتا ہے فنا کو پیامِ بقا جانتا ہے
مصائب کو خاطر میں لاتا نہیں یہ
بلاؤں سے آنکھیں چُراتا نہیں یہ

(۶)

مِلا ہے اسی کو وہ پاکیزہ جوہر جہاں جس سے ہوتا ہے دم میں مسخّر
زمانے میں جس کا نہیں کوئی ہمسر وہ ہے دولتِ عشقِ محبوبِ داور
یہ پہلی نشانی ہے مردِ خدا کی
کہ اُلفت ہو دل میں شہِ انبیا کی

(۷)

عجب چیز ہے عشقِ شاہِ مدینہ یہی تو ہے عشقِ حقیقی کا زینہ
ہے معمور اس عشق سے جس کا سینہ اُسی کا ہے مرنا اُسی کا ہے جینا
مزے اس کے سلمانؓ و حیدرؓ سے پوچھو
اُویسؓ و بلالؓ و ابوذرؓ سے پوچھو

(۸)

تڑپ اس کی جس دل میں ہوتی ہے پیدا وہ کوہِ گراں کو سمجھتا ہے تنکا
نہیں اُس کو سیلِ حوادث کی پروا نہ پہاڑ اُس کے رستے میں حائل نہ در
وہ رُخ پھیر دیتا ہے سیلِ رواں کا
جگر کاٹ دیتا ہے کوہِ گراں کا

اب بھی تو حسین ہے!

(ادیب الملک، خواجہ محمد شفیع)

مکن بچشمِ ارادت نگاہ بر دنیا
کہ پشتِ مارِ منقش است و زہرِ او قتال

اے عقرب نژاد، اقربا کش، دنیائے دنی! تو ہر اُس شے کو ڈنک مارتی ہے جو تیری پہنچ میں آ جائے۔ اے زائیدۂ مارِ سیاہ! تیرے لب و دہن کا زہر ہر بوسہ دینے والے کو دائمی نیند سُلا دیتا ہے۔ راتیں تیری زلفِ دراز ہیں اور دن تیرا رُخِ روشن، ان کی عشوہ گری شب و روز رشتۂ حیات کو کوتاہ اور کوتاہ تر کر رہی ہے۔ تو گلاب کا وہ بُوٹا ہے جس کی جڑیں افعی پلے ہیں۔ بلبل غول کے غول آتے ہیں اور نیش خوردہ ہو جاتے ہیں۔ تو یاسمن کا وہ پودہ ہے جسے سم الفارِ سیاہ پر پالا گیا اور سینچا گیا ہے۔ تیری خوشبو نشاطِ شامہ، تیرا اثر ممات روح تیرا حُسن جنتِ نگاہ، تیرا اختلاط مرگِ جاں، اے حِل پری! تیرے نغمہ ہائے سماعت فریب، طغیانِ موت درکنار ہیں۔ تیرا تنفس سم آلود ہے، تیری ادائیں فنا آفریں، تیری نگاہیں سویدا افگار، تیرا تبسم زخم کشا، تیرا تلطف التفاتِ عنکبوت ——— پھر بھی تو حسین ہے!

اے دنیا! تیری بانہیں موتیا چنبیلی کے ہار ہیں، سانپوں سے گندھے ہوئے۔ تیری ہم آغوشی کنارِ قبر کے مترادف، تیری کشش نزاعِ مرگ، تیری سیجوں میں بچھو چھپے ہیں، تیرے تکیہ میں بچھوا نہاں! تیرا حجلۂ عروسی "کیتھرین دی گریٹ" کا بڈ روم[1]، تیری صحبت ملکۂ شہد کی پروازِ زفاف ——— پھر بھی تو حسین ہے!

اے لُولی! اے دنیا! تو اپنا عالمِ رنگ و بو سجائے، جوبن نکھارے، بارہ ابرن سولہ سنگار کئے، بندگی کے فرش بچھائے، سوزشِ گناہ کے جھاڑ لٹکائے، معصیت کی شمعیں روشن کئے، فریب سامری کا سنگاردان سامنے دھرے، جذبات اور خواہشات کا تکیہ لگائے تیکھی چتون، کٹیلی ادا سے بیٹھی ہے۔ تیرے سفر مینے، سنگیتے، سازندے زرِ نار ستار، طاؤس، طنبورہ ملا رہے ہیں۔ چوبِ سرو کے ساختہ طبلے، پکھاوج، ڈھولکی، استاد حد خاں کے زیرِ زبت گمک دے رہے ہیں۔ انتقام کے سیمیں منجیرے آپس میں متصادم! تیری خلخال میں خونِ شباب کے یاقوت آویزاں، تیری پشواز کا تانا جوشِ جوانی کا اور بانا ہوسِ پیری کا ہے ——— بزم آراستہ ہے، کونوں میں مجمرۂ عُود سوز روشن، خونِ آہو سپند وار جل رہا ہے۔ ہوش شکن بخارات اُٹھ رہے ہیں ——— !

ساز مل گئے، سنگت تیار ہو گئی، تیرے ہونٹوں سے شرانگار رس برسنا شروع ہوا۔ گناہ کا مندر رنگ پر ہے۔ عصیاں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ پوربی کی دُھن میں تو نے رسیا شروع کیا ——— "جوبن مرے دار سجن، جی بھو کر رہی بھو"۔ اس کیف و نشاط، مستی و سرمستی کی فضا میں "دجی بھو" کا تو امکان ہی نہ تھا۔ ہر ایک کے

[1] Bed Room (یعنی خواب گاہ)۔ ۱۲ "ادارہ"

مُنہ سے "وہ رہی بھو" نکلا اور بے ساختہ نکلا۔ اِس میں افراسیاب اور کسرٰے بھی تھے، چنگیز و ہلاکو بھی۔ جولیو سیزر اور کلیوپٹرا بھی شریک، شیریں و فرہاد کی آوازیں بھی شامل، لیلیٰ و مجنوں بھی ہمنوا۔ آوازِ بازگشت صومعہ سے بھی اُٹھی اور کلیسا سے بھی۔ دیر و حرم گونج گئے گُرُوبیاں کا سر چکرایا، حاملانِ عرش کے تیور پہ بل آیا، ابلیس نے قہقہہ لگایا، مشیئت مُسکرائی ——— رنگِ محفل اُبھاروں پہ رہا اور صنم کدہ بہاروں پہ ——— افراسیاب و کسرٰے نہ رہے۔ کہنے والے کہہ گئے؎

پردہ داری می کند بر طاقِ کسرٰے عنکبوت
چُغد نوبت می زند بر گُنبدِ افراسیاب

چنگیز و ہلاکو خون کی ہولی کھیل کے راہیِ ملک فنا ہوئے۔ جولیو سیزر اپنوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ کلیوپٹرا نے افعی شام سے منگایا خود سینہ پر لگایا، شبِ فراق کو صبحِ مرگ سے بدلا۔ شیریں ہم آغوشِ پرویز نظر آئی۔ فرہاد تیشہ سے سر پھوڑ کر مرا ع

تو کوہ و دشت سے اُٹھی صدائے وا ویلا!

لیلیٰ کو پردۂ محمل کھولنے والا نہ ملا۔ مجنوں سر بصحرا گزار گیا ——— دنیا! پھر بھی تو حسین ہے۔

اے عجوزۂ ہزار داماد! ابن آدم نے تجھ سے اپنی خواہشات پوری کیں، ہر پہلو اور ہر ڈھب سے تجھے استعمال کیا۔ تیرے جسم میں ناگن کی لچک تھی، بہر طور اپنے کو پیش کرتی رہی۔ تیری فطرت میں ذہن طوائف کی وسعت تھی، تو نے کسی منزل پہ عُذر ہی نہ کیا، انسان بھی تماش بین طبیعت لے کر پیدا ہوا تھا، ہر طرح خواہش رانی کی اور تو نے ساتھ دیا۔ اے دنیا! حوالہ دہی و تن بخشی کوئی تجھ سے سیکھے۔ کسی سیج پر تو جہاد میں آئی ہوئی لونڈی تھی، تو کسی حجلہ میں زر خرید کنیز۔ جس کی آغوش میں آئی اس نے تجھے اپنا جانا۔ جب سینہ سے لگایا تو جانا کہ تو بید مجنوں تھی اور تنا ور درختوں کو پیامِ فنا۔ پلیکن[۵۱] اپنا جگر چیر کر لہو پر نسل پالتا ہے، تو نسلوں کے لہو پر پلی۔ جو ہاتھ تیرے حائل ہوئے اُن پر دستِ قضا پڑا، جو ہونٹ تیرے لبوں تک پہنچے انھوں نے جامِ فنا پیا؎

سکندر رہے نہ دارا ہے، نہ قیصر ہے نہ کسریٰ ہے
یہ بیت المال ملک بے وفا، بے وارثا گھر ہے

نہ در جانم ہوا باقی نہ اندر دل ہوس ماندہ
بیا ساقی کہ ایں ویرانہ از بسیار کس ماندہ

دنیا تو پھر بھی حسین ہے ——— عالَم تیری بے وفائی کے فلم دیکھتا رہا اور تیرا گلوگیر ہوتا رہا۔ تیری عاشق کشی کے مناظر نظروں سے گزرتے گئے اور ایک جہانِ نابینان تیرا مبتلا ہوتا رہا۔ نہ تیری سیجیں کبھی خالی ہوئیں، نہ تیری آغوش کبھی تہی۔

ایک صاحبِ سریر کا جنازہ محلوں کے پچھلے دروازہ سے نکلا، دوسرے سریر آرا کا جلوسِ تاج پوشی صدر دروازہ میں داخل۔ اعلانچی بکنگھم پیلس سے سدا یہی صدا دیتا سُنا گیا:

"انگلستان کا شاہ نہ رہا۔ شاہ زندہ باد"[۵۲]

اے بیوفا دنیا! تیرے تسلسلِ عیش و نشاط میں نہ فردا ہے نہ دی روز، بس امروز ہے اور امشب۔

دنیائے دنی! تو نے نیرو کے ہاتھ سے اگریپانا کو مروایا تو نے اکبر اور جہانگیر میں فساد ڈلوایا، تو نے اورنگ زیب کو شاہجہاں سے لڑایا۔ تیری بدولت بروٹس نے سیزر کے خنجر مارا،

---

[۵۱] Pelican (ماہی خور پرندہ۔ عربی میں "بجع"، حواصل) ۱۲

[۵۲] (The King is dead, Long live The King)

لیڈی ہیملٹ نے شوہر کو زہر دیا۔ اے جوان کش! تو نے سوہنی کو کچے گھڑے پر بٹھایا۔ تیرے بھوکوں نے بنی امیہ کی تڑپتی لاشوں پر دستر خوان بچھایا۔ تیری خاطر یزید میدانِ کرب و بلا میں رُوسیاہ ہوا اے عربدہ جُو! نبی زادوں کا خون تیرے سینہ پر گرا اور ابن آدم کی گردن پر رہا۔ حجاج نے تیرے لئے خانۂ کعبہ پر گولے برسائے تیرے لئے او سیاہ کار! تیرے لئے حضرت حسن رضؓ کو زہر دیا گیا تیری ہی خاطر عمر بن عبد العزیزؒ کو سم آمیز مریس پلایا گیا۔[1] اے قتالہ! علی رضؓ کا خون تیرے سر پر ہے اور عمر رضؓ اور عثمان رضؓ کا لہو تیری گردن پر ہے۔

اے دجّال کی ماں! میکاولی کی جننے والی! شداد اور نمرود تیرے بطن سے، ہلاکو اور چنگیز تیرے لال، قطامہ تیری لاڈلی، ابنِ ملجم تیرے دودھ سے پلا۔ ایسے ایسے سانپ جننے اور پالنے کے بعد
——— پھر بھی تو حسین ہے۔

بغداد نذرِ آتش ہوا، سیحین کا پانی آٹھ روز تک سُرخ رہا۔ روم اپنے بوجھ سے گرا، قصرِ خورنق کا نشان نہ بچا، دلے تیرے رخسار کا غازہ ماند نہ پڑا۔ تیرے لبوں کی سُرخی پھیکی نہ پڑی، تیری آنکھوں کا سُرمہ باسی نہ ہوا، ماتھے کی افشاں نہ اُڑی، تیرا جوبن ترقی پر رہا اور تیرا شباب قائم۔ تیری لازوال جوانی ڈورین گرے کا عنوان ہے جسے ایک ضربتِ خنجر ختم کرے گی۔

چنگیز کی خون آشامی تو نے دیکھی، ہلاکو کی آتش زدگی تیری نظر سے گزری، نادر شاہ کی تباہ کاریاں تیرے سامنے ہوئیں، ۱۸۵۷ء کا غدر بیتا۔ ۱۹۴۷ء کا سیلاب بلا سر سے گزرا، دلے تیری زلفِ پرشکن کے خم و پیچ نہ گئے۔ تیرے حُسن پرست، ناز بردار، شکارِ ہوس، اب بھی شانہ و عطر دان لئے حاضر ہیں۔

لکھ پتی فلاکت زدہ ہو گئے، بھیک دینے والے بھکاری بن گئے، محلوں کے باشی جھونپڑوں میں آن پڑے، لیکن تیرے پجاری اب بھی عقیدت شعاری پر کمر بستہ تیرے سنگھ آسن کے گرد کھڑے ہیں۔ یہ سگانِ دہر، کاسہ لیسانِ خوانِ دنیا، عاقبت سے اندھے، دنیا کے پجاری، فراموش کر چکے ہیں کہ انھیں ایک دن مرنا بھی ہے۔ یہ تجھ فنا سامان کو دائمی سمجھے بیٹھے ہیں۔ اِن آنکھوں والے اندھوں نے بھلا دیا ہے کہ:

تری تعمیر میں مُضمر ہے اِک صورت خرابی کی
ہیولیٰ برقِ خرمن کا ہے، خونِ گرم دہقاں کا

نادر شاہ کا قتلِ عام شاہجہانی دلّی تک محدود رہا اور کل ایک شبانہ روز! آصف جاہ گلے میں برہنہ تلوار لٹکا کر سفید ڈاڑھی پر آنسو بہاتا پہنچا، اور کہا ؎

کسے نہ ماند کہ دیگر بہ تیغِ ناز کُشی
مگر کہ زندہ کُنی خلق را و باز کُشی

نادر شاہ نے کہا "بہ ریشِ سفیدت می بخشم" تلوار نیام میں گئی، شہر میں امن و امان ہو گیا۔ خون ریزی ختم۔ دہلی کا غدر بھی اس ہی بدبخت شہر تک رہا اور کم و بیش ایک ماہ۔ زمانہ گزر گیا زخم مندمل ہو گئے امن و عافیت کی زندگی بسر ہونے لگی۔ دستِ وقت نے ذہن سے لکیریں مٹا دیں، کھنڈر اُکھیڑ دیئے۔ ہم نے داستانیں سُنیں اور فراموش کر دیں، نگاہوں میں کرشمہ کار و فتنہ سامان دنیا مدتوں حسین بنی رہی۔

تعجب ہے کہ ۱۹۴۷ء ہم پر سے بیتا، یہ زخم ہماری نسل نے دل و جگر پہ کھائے۔ نشتر زنی و نمک پاشی جاری ہے۔ گھاؤ ناسور بن گئے مرہم ناپید۔ معاشرہ کی فضا روز بروز متعفن سے متعفن تر ہو رہی ہے جرّاح جلّاد بنے ہیں اور تیمار دار کفن چور ——— پھر بھی دنیا

[1] مریس، پانی میں بھگوئی ہوئی کھجوروں کو کہتے ہیں۔ ۱۲ (ادارہ)

تو حسین ہے!

سات سال گزر گئے اور سنہ ۴۷ نہ گزرا، کیلنڈر پر سنہ ۵۴ آگیا لیکن ہمارے لیل و نہار وہی۔ جس طرح سکتہ زدہ پر وقت نہیں گزرتا جس طرح مُردہ کی ڈائری کا ورق نہیں پلٹتا، اسی طرح ہمارے سرِ سنگ خوردہ بے ہوش ہوگئے مر گئے۔ زمانہ کے قدم زمانہ کے لئے گرم رفتار رہے ہمارے واسطے ساکت و جامد۔ ہمارے بچّے جو سات سالہ ہمارے ساتھ آئے تھے، چودہ سال کے ہوگئے، دس سال والے سترہ کے ہوئے مگر ہم اُن کو جوان دیکھ کر خوش نہ ہوئے —— ہم پر سنہ ۴۷ بیت رہا تھا —— یہ کس اقتدار پرست، کُرسی نشین، ملّت خوار، خنزیر نژاد نے کہا کہ "یہ فطرت کے خلاف ہے" سُن اے جہنّمی! ہمارا جواب سُن! دنیا میں بھی سُن اور میدانِ حشر میں بھی تجھے سُننا پڑے گا —— فطرت کے خلاف ہے کہ سُوئی چُبھے اور تکلیف نہ ہو۔ لیکن جب جسم سُن ہو جائے تو درد نہیں ہوتا ؎

خوردیم زخمہا کہ نہ خوں آمد و نہ آہ
وہ ایں چہ زخم بود کہ تا استخواں برفت

حوادثات نے ہم کو سُن کر دیا، سانحات نے ہمارے احساس چھین لئے۔ اب ہم چلتے پھرتے جنازے ہیں، جن کو تو زندہ سمجھ کر درّے مارے جاتا ہے۔ اے مردُم خوار کتّے! اے مردار خوار گدھ! تو قوم کی نعش پر بیٹھا اس کی بوٹیاں کھا رہا ہے، تجھے قوم ایسی ہی عزیز ہے جیسے لومڑی کو خرگوش پیارا ہوتا ہے۔ ابھی تیری آنکھوں پر حرام کے لقموں کی چربی چڑھی ہے۔ تو اس وقت ہمارے احساسات مُردہ ہو جانے کو سمجھے گا، جب دوزخ میں بار بار تیری کھال بدلی جائے گی اور بار بار تجھے نذرِ آتش کیا جائے گا تو تجھے اُس وقت اُن خون کے گھونٹوں کا اندازہ ہوگا جو ہم تیری ناانصافیوں اور ناحق شناسیوں پر پیتے ہیں، جب قعرِ جہنم میں تو پیپ اور لہو پیئے گا۔ اِس وقت ہم تیرے ہاتھ میں مجبور و لاچار ہیں، اُس وقت تو فرشتہائے عذاب کے ہاتھوں میں مجبور ہو گا ؎

ترا بہ تختہ و تابوت درکشند از تخت
گیرت خزانہ و لشکر ہزار خواہد بود
ترا بہ کُنجِ لحد سالہا باید خفت
تنِ تو طُعمۂ ہر مور و مار خواہد بود

تو سمجھتا ہے کہ سنہ ۴۷ گزر گیا، تو سمجھتا ہے کہ ہم آباد ہو گئے، تیرا خیال ہے کہ ہم اطمینان کی زندگی گزار رہے ہیں۔ تیرا زعم باطل ہے کہ ہمارے شب و روز سکونِ قلب کے ساتھ گزر رہے ہیں، ہم چین سے بیٹھے انند کے تار بجا رہے ہیں۔ سُن اے قصرِ فلک نما کے رہنے والے سُن! اپنے کنگروں، بالاخانوں اور "بے ونڈ وز"[۱] سے تجھ کو ہمارا حال نظر نہیں آئے گا۔ تیرے مجرب کانوں تک ہماری بکا نہیں پہنچ سکتی۔ تیرے زرپوش دل تک ہماری آہوں کی رسائی نہیں —— تیرے لئے دنیا اب بھی حسین ہے، ہماری دنیا اُجڑ چکی۔ تیرے لئے زندگی اب بھی عروسِ نو ہے، ہم آغوشِ قبر کے متمنّی۔ تجھ کو اولاد کی عمر دراز چاہیے، ہم اپنے پیاروں کی زیست سے مایوس۔ تیرے اندوختے خزانۂ قارون کی طرح لبریز، ہم اپنی تھیلیوں کی انتہا پر آ چکے ہیں۔ تیرے کتّے، بلّی، مُرغ اور کینریز[۲] کے لئے دوا اور ڈاکٹروں کی بہتات، ہماری جاں بلب اولاد کو شہد کا چمچہ نصیب نہیں۔ تیرے مار زادوں اور عقرب نژادوں کے واسطے

---

۱ "Bay windows" (جھروکے)۔ (ادارہ)
۲ "Canaries" (ایک قسم کی خوش الحان چڑیاں) ۱۲ (ادارہ)

یورپ کے بنے ہوئے کھلونے اور وہاں کی سیریں، ہماری فلاکت زدہ اولاد موت کے پنگورہ میں سفرِ آخرت کی منتظر. تیرے لئے محلہائے نو بنو، ہمارے محرومِ مرمت گھروں کی دیواریں سروں پر آرہی ہیں۔

کم بخت عشوہ فروش دنیا! تو اب بھی حسین ہے ——

تیری خلخال کی آواز اب بھی سماعت فریب ہے، تیری ساقِ مرمریں، اب بھی پیر لڑکھڑا دیتی ہے. تیرے زانو کی صفائی، شاہِ خوارزم کی آبشار اب بھی ہے. تیرے پگھلی ہوئی چاندی کے ساختہ شکم کی شکن، اب بھی دل میں لہریں اٹھاتی ہے، تیری ناف گردابِ بلا اب بھی ہے. تیرے سینہ کے دودھیا بلبلے، حبابِ حباب آسا کو دائمی نظر آتے ہیں تیری بلوریں باہیں "وینس[۵۱] لی میلو" کا شکستہ بازو یاد دلاتی ہیں تیری صراحی دار گردن اب بھی جام و مینا بدوش ہے. تیرا دہن "شیمپین[۵۲]" کا گلاس نظر آتا ہے. تیری مخمور آنکھیں اب بھی عقل و خرد کا سر چکراتی ہیں. تیری بینی چشمِ بینا کو کور بناتی ہے. تیرا ماہتابی ماتھا مہِ ہفت روزہ نظر آتا ہے. اس پر سیاہ کاکل تاج محل پر کالی گھٹا کا کیف اب بھی پیدا کرتے ہیں۔

سن اے مردم خوار ناگن سن! وہ سپیرا آنے والا ہے جو تیری چٹیا پکڑ کر زلفیں تراش دے گا۔ وہ سورج نکلنے والا ہے جو تیری ماہتابی پیشانی کے کلنک کے داغ نمایاں کر کے چھوڑے گا۔ وہ دیدہ ور آرہا ہے جو تیرے ساغرِ چشم الٹ دے گا، وہ مشتِ فریب شکن تیار ہے جو تیری بینی کو لہولہان کر دے گی، وہ مجاہدانہ طمانچہ قریب ہے جو تیرا منہ بگاڑ دے گا، وہ نشتر تیز ہو رہا ہے جو تیری رگِ گلو تراش دے گا۔ وہ تلوار اٹھ چکی ہے جو تیری چھاتیاں کاٹ پھینکے گی، وہ خنجرِ بردہ در صیقل ہو گیا ہے جو تیرے شکم کی آلائش تیرے عشاق کے آگے لا ڈالے گا، اور وہ پنجۂ تزویر درید قدرت نے پیدا کر دیا ہے جو تیرا روپ خاک و خون آلود کر کے چھوڑے گا۔

—— اے دنیا! اے شوہر کش!! اے عجوزۂ ہزار داماد!!! تو پھر بھی حسین ہے۔

لولے، لنگڑے، کانے، بھینگے تیرے خصم بنے، پھر بھی تیرا جوبن نہ لٹا۔ فیل پایہ گینڈے ڈھول، نقارے اور ڈنکے تیرے سینہ پر سوار ہوئے اور تیرا روپ قائم رہا۔ رنڈیوں کے سلام کو مخدرات گئیں، آوارہ عورتوں نے محرمات کی بے حرمتی کی، پھر بھی تو حسین! تبسم فروشیاں ہوئیں، تیرے بازاروں میں قہقہوں کا نیلام کیا گیا۔ مسکراہٹوں کے سودے ہوئے، پھر بھی تیرا تبسمِ زیر لب نقد جاں لیتا رہا —— نہتے مسلمانوں کو کفار نے چند ماہ مارا، پھر مسلمان کا لہو مسلمان شیرِ مادر سمجھ کر پیتا رہا، شریعتِ اسلام کو مسلمانوں کے روبرو کفار کے ناہنجار آوردہ، مردہ اور مخنث کہہ گئے۔ احول چشم بھینگوں کو ایک خدا کی جگہ دو خدا اور ایک شریعت کی جگہ دو شریعتیں نظر آئیں۔ ہماری اولاد کے لہو مشرکوں نے بہائے، اپنوں کو ہم نے ان کا لہو چوستے دیکھا۔ قوم و وطن کے جاں نثار برباد اور مسلّم الثبوت پاکستان دشمن پارٹیوں کے کتے آباد، ہم نے دیکھے۔ اشتیاقِ یاد بریدی نے خویش نوازیاں کرائیں۔ جوان بیٹیاں ماؤں کی گود میں یکے بعد دیگرے جاں بحق تسلیم ہوئیں اور دوا کو پیسے نصیب نہ ہوئے۔ شیر خوار بچے دودھ کو بلک بلک کر روئے اور تیرا رخِ روشن ان معصوم آہوں سے نہ جھلسا، ماتا کی آگ تیرے رخساروں پہ آبلہ نہ ڈال سکی۔ ملتِ اسلام برہنہ تن ہوئی اور تیری پشواز میں شکن نہ پڑی۔ رقصِ بسمل ہوا اور تیرے گھنگرو زہرہ اور مشتری کی یاد دلاتے

[۵۱] "Venus" زہرہ کا مجسمہ جس کا ایک بازو کٹا ہوتا ہے۔ "ادارہ"

[۵۲] "Champagne" (ایک قسم کی شراب) "ادارہ"

رہے۔ سرودِ آہ برگ چھیڑتا رہا، اور تیرا شانت رس تنت کاریاں دکھاتا رہا۔ ہمارے ساغرِ حیات چھلک گئے اور تیرا جام کھنکتا رہا۔ ہمارے چراغِ دل و دیدہ ٹمٹما کر بجھ گئے، تیری شمعِ محفل فروزاں رہی انصاف وحق شناسی قربان ہوئی، تیرے مندر پہ بھینٹ چڑھتی رہی محل نشین جھونپڑوں میں نظر آئے، تیرے گنبد کا کلس میلا نہ ہوا سیلاب بلا گزرا اور تیرے تلوؤں کی مہندی پھیکی نہ پڑی،

——— دنیا تو اب بھی حسین ہے۔

یہ حُسن دوروزہ ہے، یہ رُوپ ڈھلنے والا ہے ہم نے بہت سے کاخِ بلند گرتے دیکھے ہیں، یہ رادھا کا ناچ بھی چند روزہ ہے۔

"بسے گردش کند گردوں بسے لیل ونہار آرد"

استدراک

قارئین "تذکرہ" شمارہ ماہِ نومبر ۵۴ء کے صفحہ ۳۱ پر نظم بعنوان "دورِ حاضر" کا ہر تیسرا مصرعہ اس طرح پڑھیں "میں اس خدا ناشناس ماحول میں اُلجھ کر نہ رہ سکوں گا"

(ادارہ)

اطلاع

بھارت میں "تذکرہ" کے طالب حضرات سالانہ قیمت "اشتیاق بکڈپو" دیوبند کو ارسال فرما کر تذکرہ جاری کرا سکتے ہیں

غزوۂ بدر کے چند مناظر

(مولانا عبد السلام نعمانی)

(۱)

(ہجرت مدینہ کا دوسرا سال آنحضرت صلعم صحابہؓ کو جمع کر کے بیٹھے ہیں، ان میں حضرت ابو بکر، سعد بن عبادہ اور مقداد رضی اللہ عنہم بھی موجود ہیں)

آنحضرتؐ۔ مکہ سے قریش کا تجارتی قافلہ ملک شام کو روانہ ہو چکا ہے اور وہ بھی اس شان سے کہ مکہ کی تمام آبادی نے جس کے پاس جو رقم بھی تھی کل کی کل دے دی ہے اور قافلہ روانہ ہونے سے پہلے ہی عمرو بن حضرمی کا قتل بھی ہو چکا ہے۔ قریش کی آتشِ غضب بھڑک چکی ہے اور مکہ معظمہ میں بھی یہ خبر پھیل چکی ہے کہ مسلمان قافلہ لوٹنے کے لئے آرہے ہیں۔

ابو بکرؓ۔ ہم جان نثاری کے لئے حاضر ہیں!

(حضرت ابو بکرؓ مجمع کو مخاطب فرما کر ایک جان نثارانہ تقریر فرماتے ہیں۔ آنحضرتؐ انصار کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ اتنے میں خزرج کے سردار سعد بن عبادہ کھڑے ہو جاتے ہیں)۔

سعد بن عبادہؓ۔ کیا حضورؐ کا اشارہ ہماری طرف ہے؟ خدا کی قسم! آپ اگر فرمائیں تو ہم سمندر میں کود پڑیں [1]

مقدادؓ۔ ہم موسیٰؑ کی قوم کی طرح یہ نہ کہیں گے کہ "آپ اور آپ کا خدا جا کر لڑیں" ہم لوگ آپؐ کے داہنے سے، بائیں سے، سامنے سے اور پیچھے سے لڑیں گے [2]

(آنحضرتؐ کا چہرہ مسرت سے چمک اٹھتا ہے)

(۲)

(رمضان کی ۱۲ تاریخ آنحضرتؐ ۳۰۰ جان نثاروں کے ساتھ مدینہ سے نکل رہے ہیں، اور تقریباً ایک میل جانے کے بعد فوج کا جائزہ لیتے ہیں)

آنحضرتؐ۔ (فوج سے) ہماری فوج میں کم عمر بچے بھی ہیں، ان کو واپس کر دیا جائے، ایسے پُرخطر موقع پر بچوں کا کام نہیں [3]۔

(عمیر بن وقاص ایک کمسن بچہ بھی ساتھ ہے، ان سے واپسی کے لئے کہا جاتا ہے تو وہ رو پڑتے ہیں۔ لہذا آنحضرتؐ ان کو اجازت دیدیتے ہیں۔ فوج کی تعداد اب ۳۱۳ ہو چکی ہے۔ جس میں ساٹھ مہاجر اور باقی انصار ہیں، اس میں ابو لبابہ بن عبد المنذر بھی ہیں)

آنحضرتؐ۔ (ابو لبابہ بن عبد المنذر سے) مدینہ میں ہم لوگوں کے نہ ہونے کی وجہ سے منافقین اور یہود کی طرف سے اطمینان نہیں ہے، اس لئے میں تم کو مدینہ کا حاکم مقرر کرتا ہوں اور حکم دیتا ہوں کہ مدینہ واپس جاؤ۔

(مدینہ کی بالائی کی آبادی پر عاصم بن عدی کو حاکم بنا کر آپ مدینہ سے تقریباً ۸۰ میل دور بدر کے گاؤں میں پہنچتے ہیں)

(۳)

(بدر کا میدان۔ قریش پہنچ چکے ہیں، اور اچھی جگہوں پر

[1] صحیح مسلم شریف۔ [2] بخاری شریف۔ [3] ابن سعد۔

قبضہ کر چکے ہیں اور مسلمانوں کی طرف کوئی چشمہ یا کنواں بھی نہیں ہے اور زمین اتنی ریتلی ہے کہ اونٹوں کے پاؤں ریت میں دھنس جاتے ہیں)

خباب بن منذرؓ۔ (آنحضرتؐ سے) یا رسول اللہؐ! یہ جو جگہ منتخب کی گئی ہے وہ وحی کی رو سے ہے یا کوئی فوجی تدبیر ہے؟

آنحضرتؐ۔ یہ وحی نہیں ہے۔

خباب۔ بہتر تو یہ ہوتا کہ آگے بڑھ کر چشمہ پر قبضہ کر لیا جائے اور آس پاس کے کنویں بیکار کر دیئے جائیں۔

آنحضرتؐ۔ بہتر ہے، مجھے یہ منظور ہے۔

(اتفاقاً بارش ہو جاتی ہے، اور مسلمانوں نے جا بجا پانی کو روک کر چھوٹے چھوٹے حوض بنا لئے ہیں کہ وضو اور غسل کے کام آئیں، دشمنوں کو پانی لینے کی اجازت عام ہے)۔[۱]

(۴)

(قریش جنگ کے لئے بیتاب ہیں، ان میں حکیم بن حزام بھی ہیں)

حکیم بن حزام۔ (فوج کے سردار عتبہ سے) عتبہ! اگر آپ چاہیں تو آج کا دن آپ کی نیک نامی کی ابدی یادگار رہ جائے!

عتبہ۔ یہ کیونکر؟

حکیم۔ قریش کا جو کچھ مطالبہ ہے، وہ صرف حضرمی کا خون ہے۔ وہ آپ کا حلیف تھا، آپ اُس کا خون بہا ادا کر دیجئے!

عتبہ۔ مجھے منظور ہے

(حکیم بن حزام ابوجہل کے پاس جاتے ہیں، اور وہ ترکش سے تیر نکال رہا ہے)

حکیم۔ (ابوجہل سے) ابوجہل! قریش کا جو کچھ مطالبہ ہے، وہ صرف حضرمی کا خون ہے، اس کا خون بہا ادا کر دینا چاہیئے، عتبہ نے بھی یہ بات منظور کر لی ہے اور اتفاقِ رائے کے لئے تمہارے پاس بھیجا ہے۔

ابوجہل۔ اچھا! عتبہ کی ہمت نے جواب دیدیا۔[۲] عتبہ اِس لڑائی سے جی چُراتا ہے کہ اُس کے بیٹے پر آنچ نہ آئے (پھر عمرو بن حضرمی کے بھائی عامر بن حضرمی کو بُلا کر) دیکھتے ہو تمہارا خون بھی تمہاری آنکھ کے سامنے آ کر نکلا جاتا ہے۔

(عامر عرب کے دستور کے مطابق کپڑے پھاڑ ڈالتا ہے، اور گرد اُڑا کر وَاعمراهُ! وَاعمراهُ! (ہائے عمرو! ہائے عمرو!) کا نعرہ لگانا شروع کر دیتا ہے)

عتبہ۔ (ابوجہل کا یہ طعنہ سُنکر) اچھا تو میدانِ جنگ بتا دے گا کہ، نامردی کا داغ کون اُٹھاتا ہے؟

(عتبہ سر سے کپڑا لپیٹ کر لڑائی کے ہتھیار سجا دیتا ہے)

(۵)

(جنگ کا میدان، آنحضرتؐ میدان کے کنارے ایک چھپّر کے سائبان میں بیٹھے ہیں اور سعد بن معاذ رضؓ حفاظت کر رہے ہیں۔ مہاجرین کا عَلَم مصعب بن عمیرؓ کو ملتا ہے، لڑائی شروع ہو جاتی ہے)

کفار کی آواز۔ (حذیفہ بن الیمانؓ اور ابو حسیل رضؓ کو آتے دیکھ کر) تم دونوں کہاں جا رہے ہو؟ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد

---

[۱] سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۱۶۔

[۲] عتبہ کے فرزند ابو حذیفہ اسلام لا چکے ہیں۔ اور اِس جنگ میں محمدؐ صلعم کے ساتھ شریک ہیں۔ ۱۲

کے لئے؟

حذیفہ اور ابوجہل۔ نہیں! بالکل نہیں! بلکہ ہم تو جنگ میں بھی شریک نہیں ہیں۔

(اب دونوں جماعتیں مقابل آتی ہیں۔ آنحضرتؐ دعا فرماتے ہیں)۔

آنحضرتؐ۔ خدایا! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے، آج پورا کر (پھر سجدے میں گرتے ہوئے) خدایا! اگر یہ چند نفوس آج مٹ گئے تو پھر قیامت تک تو نہ پوجا جائے گا۔

ابوبکرؓ۔ حضورؐ! خدا اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا!

(قریش کی فوجیں اب بالکل قریب ہو جاتی ہیں)۔

آنحضرتؐ۔ (صحابہؓ سے) جب دشمن پاس آجائیں تو تیر سے روکو۔

(حضرت ابوبکر رضؓ کے بیٹے عبدالرحمٰن جو اب تک کافر تھے، میدان میں آتے ہیں اور ادھر سے ابوبکرؓ تلوار کھینچ کر نکلتے ہیں[1]۔ کافر عتبہ میدان میں آتا ہے اور مقابلے لئے اُسی کے فرزند حذیفہ نکلتے ہیں)

عتبہ۔ ہم کو تم سے غرض نہیں! (پھر آنحضرتؐ سے) محمد! یہ لوگ ہمارے جوڑ کے نہیں ہیں۔

آنحضرتؐ۔ نکلو اے عبیدہ بن حارث، چلو اے علیؓ، بڑھو اے حمزہ!

(حضرت حمزہ رضؓ، حضرت علی رضؓ، اور حضرت عبیدہؓ میدان میں آتے ہیں)۔

عتبہ۔ (مذکورہ بالا لوگوں سے) تم لوگ کون ہو؟

حمزہ رضؓ۔ میں حمزہ بن عبدالمطلب بن عبدمناف۔ اور یہ علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن عبدمناف ہیں۔

عتبہ۔ ہاں، اب ہمارا جوڑ ہے۔

(عتبہ، حمزہ رضؓ سے۔ اور اس کا لڑکا ولید علیؓ کے مقابل ہو جاتا ہے اور نتیجے میں عتبہ اور ولید دونوں مارے جاتے ہیں۔ عتبہ کے بھائی شیبہ نے حضرت عبیدہ رضؓ کو کاری زخم لگایا مگر حمزہ و علی دونوں نے بڑھ کر شیبہ کو بھی ختم کر دیا۔ اور حضرت عبیدہؓ کو کندھے پر اُٹھا کر آنحضرتؐ کے پاس لاتے ہیں)

عبیدہ۔ (آنحضرتؐ کو دیکھ کر) کیا میں دولتِ شہادت سے محروم ہوں؟

آنحضرتؐ۔ نہیں، نہیں! تم نے شہادت پائی۔

عبیدہ۔ آج اگر ابوطالب زندہ ہوتے، تو تسلیم کرتے کہ میں اُن کے اِس شعر کا مصداق ہوں[2]:

ونسلمه حتى نصرّع حولهٗ
ونذهل عن ابنائنا والحلائل

(ہم محمدؐ کو اُس وقت دشمنوں کے حوالے کریں گے، جب ان کے گرد لڑ کر مر جائیں اور ہم اپنے بیٹوں اور بیویوں سے بھلا نہ دیئے جائیں)

(سعید بن العاص کا بیٹا عبیدہ سر سے پاؤں تک لوہے میں ڈوبا ہوا صف سے نکلتا ہے، حضرت زبیرؓ اس کے مقابلے کو نکلتے ہیں اور تاک کر آنکھ میں برچھی مارتے ہیں، وہ زمین پر گر کر مر جاتا ہے اور حضرت زبیرؓ برابر

---

[1] استیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ذکر عبدالرحمٰن بن ابی بکر۔ ۱۲

[2] زرقانی ۱۲۔ اِن واقعات میں روایتیں مختلف طور سے آئی ہیں، اور تقریباً سب ایک دوسرے کے حامل ہی ہیں۔ ۱۲

اِس جنگ میں کئی کاری زخم کھا چکے ہیں۔[1]

(۶)

(عام حملہ شروع ہو چکا ہے۔ انصار میں سے معوذؓ اور معاذؓ آپس میں گفتگو کر رہے ہیں)

معوذ۔ ابو جہل کی شرارت اور اسلام سے دشمنی کا عام چرچا ہے۔ ہم دونوں عہد کرتے ہیں کہ یہ شقی جہاں نظر آجائے گا یا تو اس کو مٹا دیں گے یا خود مٹ جائیں گے!

معاذ۔ ہاں، بے شک! انشاء اللہ ایسا ہی کیا جائے گا۔

(عبد الرحمٰن بن عوف صف میں کھڑے ہیں، دفعتہً داہنے بائیں دونوں نوجوان نظر آتے ہیں[2])

پہلا نوجوان۔ ابو جہل کہاں ہے؟

عبد الرحمٰن بن عوف۔ برادر زادے! ابو جہل کو پوچھ کر کیا کروگے؟

پہلا نوجوان۔ میں نے خدا سے عہد کر لیا ہے کہ ابو جہل کو جہاں دیکھ لوں گا، یا تو اُسے قتل کر دوں گا، یا خود لڑ کر مارا جاؤں گا!

دوسرا نوجوان۔ یہی تو میں بھی چاہتا ہوں۔

عبد الرحمٰن بن عوف۔ (اشارہ کرتے ہوئے) دیکھو! ابو جہل وہ ہے!

(دونوں نوجوان باز کی طرح جھپٹتے ہیں، اور ابو جہل قتل ہو کر خاک پر لوٹ جاتا ہے۔ ابو جہل کا لڑکا عکرمہ پیچھے سے آکر معاذ کے بائیں شانہ پر تلوار مار دیتا ہے اور بازو کٹ جاتا ہے۔ تاہم معاذ عکرمہ کا تعاقب کرتے ہیں)۔

(۷)

(مجذر انصاریؓ اور ابو البختری بن ہشام کافر)

مجذر۔ آنحضرتؐ نے لڑائی سے پہلے ارشاد فرمایا تھا کہ، کفار کے ساتھ جو لوگ آئے ہیں اُن میں ایسے لوگ بھی ہیں جو خوشی سے نہیں بلکہ قریش کی وجہ سے آئے ہیں، ان میں تیرا نام بھی ہے، چونکہ آنحضرتؐ نے تیرے قتل سے منع فرمایا ہے اس لئے تجھ کو چھوڑ دیتا ہوں

ابو البختری۔ میرے ساتھ میرا رفیق بھی ہے، اس کو بھی؟

مجذر۔ نہیں۔

ابو البختری۔ تو میں عرب کی خواتین کا یہ طعنہ نہیں سن سکتا کہ، ابو البختری نے اپنی جان بچانے کے لئے رفیق کا ساتھ چھوڑ دیا، (پھر یہ رجز پڑھتا ہوا مجذر پر حملہ آور ہو جاتا ہے، اور مارا جاتا ہے)

لن یسلم ابن حرۃ زمیلہ
حتی یموت او یرے سبیلہ

"شریف زادہ اپنے رفیق کو چھوڑ نہیں سکتا، جب تک کہ مر نہ جائے یا وہ اپنا راستہ نہ دیکھ لے"

(اُمیّہ بن خلف سامنے آرہا ہے، عبد الرحمٰن بن عوفؓ نے چاہا کہ بچ کر نکل جائے، لیکن بلالؓ دیکھ لیتے ہیں، اور انصار اس کے بیٹے کو قتل کر ڈالتے ہیں، پھر اُمیّہ کی طرف بڑھتے ہیں)

انصار۔ (اُمیّہ سے) تم زمین پر لیٹ جاؤ!

(اُمیّہ لیٹ جاتا ہے اور لوگ اُس کو قتل کر ڈالتے ہیں)

---

[1] صحیح بخاری: غزوۂ بدر۔ ۱۲ [2] یہ دونوں نوجوان معوذ اور معاذ ہیں، یہ عفراء نامی ایک عورت کے بیٹے تھے۔ ۱۲

(۸)

(ابوجہل اور عتبہ کے قتل کے بعد قریش سپر ڈال چکے ہیں اور مسلمان گرفتاری کی تیاری میں لگے ہوئے ہیں)

آنحضرت صلعم - کوئی شخص جاکر خبر لائے کہ ابوجہل کا کیا انجام ہوا؟

(عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جاکر لاشوں میں ابوجہل کو دیکھتے ہیں وہ دَم توڑ رہا تھا)

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ - تو ابوجہل ہے؟

ابوجہل - ایک شخص کو اُس کی قوم نے قتل کر دیا، تو یہ فخر کی کیا بات ہے؟[۱]

(عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اُس کی گردن پر پاؤں رکھ دیتے ہیں)

ابوجہل - او بکری چرانے والے دیکھ تو پاؤں کہاں رکھ رہا ہے؟

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ - تو نے مجھے ایک دفعہ پتھر مارا تھا، یہ اُسی کا انتقام ہے۔

(عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سر کاٹ کر آنحضرت صلعم کے قدموں پر ڈال دیتے ہیں، اب جنگ ختم ہو جاتی ہے اور مسلمانوں میں صرف ۱۴ شہید ہوتے ہیں۔ جن میں ۶ مہاجر اور باقی انصار ہیں۔ رؤسائے قریش ایک ایک کر کے مارے جا چکے ہیں۔ جنگ کے بعد قیدی گرفتار ہو کر مدینہ آتے ہیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں تقسیم کر دئیے جاتے ہیں)۔

(۹)

(جنگ بدر کی خبر مکہ پہنچتی ہے۔ قریش نے منادی کرا دی ہے کہ کوئی شخص رونے نہ پائے، اسود بن مطلب کے تین لڑکے مارے جا چکے ہیں)

اسود - (اپنے ملازم سے) ذرا دیکھو! یہ کہاں سے رونے کی آواز آرہی ہے؟ کیا رونے کی اجازت ہو گئی؟ میرے سینے میں آگ لگ رہی ہے، جی کھول کر رولوں تو تسکین ہو جائے۔

ملازم - ایک عورت کا اونٹ گم ہو گیا ہے، اس کے لئے وہ رو رہی ہے

اسود - (بے اختیار ہو کر):

اتبکی ان یّضلّ لہا بعیرٌ ویمنعُہا من النوم السہودُ

ولا تبکی علے بکرٍ ولکن علی بدرٍ تقاصرت الجدودُ

فبکّی ان بکیتِ علے عقیل وبکّی حارثًا اسد الاُسودِ

"اونٹ کے گم ہونے پر روتی ہے اور اس کو نیند نہیں آتی، اونٹ پر مت رو، بدر پر آنسو بہا، جہاں قسمت نے کمی کی۔ تجھ کو رونا ہے تو عقیل پر رو! اور حارث پر رو! جو شیروں کا شیر تھا"

(۱۰)

(عمیر بن وہب جمحی اور صفوان بن امیہ حجر میں بیٹھے ہوئے ہیں اور مقتولین بدر کا ماتم کر رہے ہیں)۔

صفوان - خدا کی قسم! اب جینے کا مزہ نہیں۔

عمیر - سچ کہہ رہے ہو (اگر مجھ پر قرض نہ ہوتا اور بچوں کا خیال نہ ہوتا تو میں سوار ہو کر جاتا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر آتا۔ میرا بیٹا بھی وہاں قید ہے۔

صفوان - تم قرض کی اور بچوں کی فکر نہ کرو، اُن کا میں ذمہ دار ہوں۔

(عمیر گھر آتا ہے اور اپنی تلوار زہر میں بجھا دیتا ہے، پھر مدینہ آتا ہے، اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ دیکھ لیتے ہیں اور گلا دبا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لاتے ہیں)۔

آنحضرت صلعم - عمر! اس کو چھوڑ دو! (پھر عمیر سے) —— قریب

---

[۱] صحیح بخاری شریف: غزوۂ بدر - ۱۲

آجاؤ! ـــــ کس ارادے سے آئے ـــــ ؟

عمیر۔ بیٹے کو چھڑانے آیا ہوں۔

آنحضرتؐ۔ پھر یہ تلوار کیوں حمائل ہے؟

عمیر۔ آخر تلواریں بدر میں کس کام آئیں؟

آنحضرتؐ۔ کیوں نہیں؟ تم نے اور صفوان نے حجر میں بیٹھ کر میرے قتل کی سازش نہیں کی؟

(عمیر یہ بات سُنکر سناٹے میں آجاتے ہیں اور بے اختیار ہو کر کہتے ہیں)۔

عمیر۔ بے شک، آپ پیغمبرؐ ہیں! خدا کی قسم میرے اور صفوان کے سوا اِس معاملہ کی کسی کو خبر نہ تھی۔

(عمیر مسلمان ہو جاتے ہیں اور مکہ واپس آتے ہیں۔ قریش جو آنحضرتؐ کے قتل کی خبر سُننے کے منتظر تھے، وہ عمیر کے مسلمان ہونے کی خبر سُنتے ہیں)

(آئندہ، غزوۂ سویق اور غزوۂ اُحد کے مناظر کا مطالعہ فرمائیں)

آپ ان سے ماہنامہ "تذکرہ" حاصل کر سکتے ہیں

۱۔ پشاور۔ صادق کمیشن ایجنسی، بکسیلرز۔ بازار قصہ خوانی۔

۲۔ راولپنڈی۔ ایم، اے خاں صاحب شیروانی۔ مکتبہ عثمانیہ ٹرنک بازار

۳۔ مردان۔ مردان نیوز ایجنسی۔ بکٹ گنج۔

۴۔ سیالکوٹ۔ ملک اینڈ سنز، ریلوے روڈ۔

۵۔ جھنگ مگھیانہ۔ شیخ محمد حسین اینڈ سنز بکسیلرز۔

۶۔ اوکاڑہ۔ رحمت بک اسٹال۔ نزد ریلوے پُل۔

۷۔ گوجرانوالہ۔ بشیر صحرائی صاحب امرتسری۔ اخبار گھر، ریل باز

۸۔ ٹانڈلیانوالہ۔ نصیر احمد منظور احمد صاحب، نیوز ایجنٹ۔

۹۔ بہاول پور۔ کیپیٹل نیوز ایجنسی۔

۱۰۔ سانگھڑ۔ کتب خانہ اکبریہ۔

۱۱۔ فورٹ سنڈیمن۔ موتی کتب خانہ۔

۱۲۔ لاڑکانہ۔ ذاکر علی خاں صاحب۔ ناظم دار المطالعہ جماعت

۱۳۔ لاڑکانہ۔ فلمی بک اسٹال متصل رائل ٹاکیز۔

۱۴۔ سکھر۔ عمر حسین صاحب، حسینی بک ڈپو، گھنٹہ گھر۔

۱۵۔ سبی۔ محمد یٰسین صاحب۔ نیوز ایجنٹ

۱۶۔ جھڈو۔ محمد عطاء اللہ خاں صاحب۔ مالک رائل جنرل اسٹور۔

۱۷۔ ٹنڈو آدم۔ انور صدیق صاحب، معرفت کانپور بوٹ ہاؤس۔

۱۸۔ بوگرا۔ محمد نبی حسن صاحب، مولانا لائبریری۔ تھانہ روڈ۔

۱۹۔ ایشرڈی۔ مولوی محمد یوسف خاں صاحب، لوکو شیڈ ۷/۳۸۵

۲۰۔ کشتیا۔ رحمت خانم صاحبہ معرفت محمد خاں صاحب نیوز ایجنٹ

۲۱۔ میرپور خاص۔ عنایت بک اسٹال۔ اسٹیشن روڈ۔

۲۲۔ ڈیرہ اسمٰعیل خاں۔ گل نصیب صاحب نیوز ایجنٹ۔ بازار توپانوال

۲۳۔ حیدرآباد (سندھ)۔ عابد حسین صاحب۔ مکتبہ جماعتِ اسلامی۔

۲۴۔ ملتان۔ مکتبہ تعمیر ملت ۷/۵۶ چوک بازار۔

۲۵۔ مدراس۔ مسٹر اے، اے جیلانی نمبر ۴۰ متو ماری چٹی اسٹریٹ۔ منا ڈی۔

قطعات

(فیض لدھیانوی)

ا ہو یہ کہ غافل ہیں مسلماں بھولے بھالے ہیں
ائے جنگ تیاری برابر کرنے والے ہیں
ب مصروفِ عمل دن رات لیکن فرق ہے اتنا
ر جنگی رسالے ہیں، اِدھر فلمی رسالے ہیں

دو شریف انسان چاہے اُن کا مذہب کچھ بھی ہو
رل کے رہ سکتے ہیں آپس میں نہایت پیار سے
دو رذیل انسان چاہے اُن کا مذہب ایک ہو
بچ کے رہ سکتے نہیں دن رات کی تکرار سے

ئے محرومی کہ آدھی عمر سونے میں کٹی
ر جو باقی بچی وہ رونے دھونے میں کٹی
س دُنیا میں نہ کوئی کام بھی ہم سے ہوا
ندگی جتنی ملی سب وقت کھونے میں کٹی

بلوغ المرام مترجم

اِس عظیم القدر کتاب کے مؤلّف علاّمہ حافظ ابنِ حجر عسقلانی رح ڈیڑھ سو سے زائد کتب کے مصنّف ہیں۔ شارح احادیثِ نبویہؐ کی حیثیت سے جس قدر آپ کا درجہ امّت میں بلند ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔

"بلوغ المرام" میں آپ نے دینی احکام پر مشتمل احادیثِ نبویؐ، مسند احمد، صحیح بخاری، صحیح مسلم، ترمذی، ابوداؤد، ابنِ ماجہ، نسائی، صحیح ابنِ حبان، مستدرک للحاکم، مسند ابی عوانہ، دارقطنی، مسند بزار، سننِ بیہقی، المنتقیٰ لابن جارود، موطّا امام مالک وغیرہ کتبِ احادیث سے منتخب فرما کر جمع کی ہیں مختصر ہونے کے باوجود اتنا بڑا ذخیرہ، اور اس طرز پر تالیف کی گئی ہے کہ مطالعہ کرنے والا نہایت عمدگی کے ساتھ شرعی احکام پر عبور حاصل کر لیتا ہے۔ حتّٰی کہ ابتدائی معلومات کا انسان بھی مستفیض ہو جاتا ہے اور منتہی شخص بھی اس مجموعہ سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ احادیثِ نبوی کی یہ بے بہا کتاب شائقینِ علمِ حدیث کے لئے ایک نہایت عجیب تحفہ ہے اور اعتقادات و اعمال کو پاکیزہ تر بنانے کے لئے بہترین مددگار و معاون ثابت ہوگی۔ اس میں ۵۹۶ احادیث جمع ہیں۔ اصل عربی اور اردو ترجمہ بالمقابل درج ہیں۔

مع فوائد ضروریہ:۔ قیمت مجلد آٹھ روپے

ملنے کا پتہ: نور محمد، اصح المطابع و کارخانہ تجارتِ کتب۔ آرام باغ۔ کراچی

ہست و نیست

(محمد فاروق، صادق، صدیقی)

سوچتا ہوں میں نمایاں ہو، یہ چھپنا کیا ہے
آخر اس پردہ نشینی کا نتیجا کیا ہے

منفعل ہوں نگہِ شوق سے اپنی اب میں
مجھ پہ دراصل کھلا آج کہ پردا کیا ہے

خاک کو زعمِ خدائی ہے تو کیا شے ہے خدا
میں اگر برتر و اعلیٰ ہوں تو اعلیٰ کیا ہے

صورتاً ہست ہوں میں، نیست ہے فطرت میری
کسی صورت نہیں کھلتا مرا عقدا کیا ہے

کیوں سمجھتا ہوں کہ ہوں اپنی سمجھ سے باہر
میری ہستی ہے معمّا، یہ معمّا کیا ہے

خاک پھر ہوتی ہے تبدیل بہ شکلِ انساں
یا خدا! عرصۂ محشر میں تماشا کیا ہے

اضطرابِ نگہِ شوق نے کھویا مجھ کو
واقعی اس میں قصور آپ کے رخ کا کیا ہے

بعد میں تجھ کو بتا دوں گا اگر یاد رہا
پہلے میں سوچ تو لوں میری تمنّا کیا ہے

جس قدر کھینچ رہا ہوں میں تصوّر میں اُسے
کھنچ رہی ہے تری تصویر یہ نقشا کیا ہے

طالبِ دید کے اصرار سے ناراض ہو کیوں
جان دینے کی تمنّا ہے تقاضا کیا ہے

یک بیک صورِ قیامت نے ہلایا شانہ
ہم پڑے سوچتے تھے وعدۂ فردا کیا ہے

غلطی ہوتی ہے انساں سے سب جانتے ہیں
کیا کہوں مقصدِ اظہارِ تمنّا کیا ہے

ہر قدم سے ہے مرے ساحتِ عالم محدود
تو نے اے وسعتِ صحرا ابھی دیکھا کیا ہے

دو اشارے نگہِ یار کے سمجھو صادق
موت کیا چیز ہے انسان کا جینا کیا ہے

سرزمینِ مصر کا ایک اصلاحی قصہ

انیسویں قسط

نجمہ

(معراج محمد بارق)

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

"نجمہ" ایک دیندار لڑکی تھی، لیکن اپنی عیش پرست والدہ کے اصرار پر وہ اُن کی منعقد کردہ محفلِ طرب میں چلی گئی، وہاں محسن نے غلطی سے اُسے نئے فیشن کی لڑکی سمجھ کر، اس کی والدہ کو رشتہ پر راضی کرلیا۔ شادی کے بعد اُسے نجمہ کی دینداری کا علم ہوا۔ محسن نے ایک محفلِ شب میں اُسے لیجانے کی کافی کوشش کی، لیکن وہ راضی نہ ہوئی۔ وہ خفا ہوکر تنہا ہی چل دیا۔ وہاں اُسے کلثوم سے عشق ہوگیا اور اکثر اوقات اُسی کے ساتھ گزارنے لگا۔

محسن اور کلثوم کے تعلقات کو مہینوں گزر گئے، اس دوران میں قیمتی جواہرات، زیور اور اعلیٰ اعلیٰ پوشاکوں کے تحائف کا سلسلہ جاری رہا۔ خوب سیریں ہوئیں، تفریحات کے مزے اُڑائے گئے اور رنگین ضیافتیں منعقد ہوئیں۔ اِن فضولیات میں اُس نے اپنی تمام جائداد اور مال برباد کردیا، اپنی ماں کا تمام ترکہ رہن رکھ دیا اور نانا سے ملی ہوئی املاک گروی کردی ——— یہ سب کچھ اس نے اپنی داشتہ کی رضاجوئی اور خوشنودی کے لئے کیا، جس کے تقاضے کبھی ختم ہی نہ ہوتے تھے، جتنا دو اُتنا ہی اور طلب کرتی تھی۔

اس کی فرمائشیں وہ برابر پوری کرتا رہا، اس کے آرام و آسائش کا ہر طرح خیال رکھتا، کسی چیز کے لئے بس اُس کا اشارہ ہی کافی ہوتا اور دوسرے دن وہ حاضر کردی جاتی۔ لیکن اُس کی تمنائیں پوری کرتے کرتے جب افلاس نے اپنی بھیانک شکل دکھائی تو اُسے اپنی فضول خرچیوں کا احساس ہوا، اس نے ایک لمحہ اپنی مالی حالت پر غور کیا۔

دراصل یہ احساس اس لئے پیدا ہوا کہ مدتِ معیّنہ میں قرض ادا نہ ہونے کی وجہ سے اس روز اس کی رہن شدہ املاک کی ضبطی کا نوٹس آگیا تھا۔

محسن کی بیوی کو اِن قرضوں کی خبر بھی نہ تھی، کیونکہ گھربار کے خرچ کے لئے ایک خاص رقم معیّن تھی جو اُسے مِل جایا کرتی تھی، لیکن اس سے پانچ گنی رقم محسن کے جیب خرچ کے لئے تھی اور جائداد کے کرایہ وغیرہ کا حساب سال کے آخر میں ہوا کرتا تھا۔

ابتدا ہی سے انھوں نے باہم یہ سب طے کرلیا تھا، اور جب سے اسی پر کاربند تھے۔ محسن نے گھربار کے خرچ میں کوئی کمی نہ کی، حتّٰی کہ باہمی نزاع کے بعد بھی وہی مقررہ رقم خرچ کے لئے دیتا رہا، مبادا کہ اس کا راز فاش ہوجائے۔

محسن کا شروع سے دستور تھا کہ کلثوم کی کسی بھی فرمائش کو کبھی ٹالا نہ کرتا تھا، خواہ مطلوبہ چیز کتنی ہی قیمتی اور گراں ہو۔ وہ برابر اسی انداز پر اس سے برتاؤ کرتا رہا، یہاں تک کہ یہ دن بھی آگئے۔

یہ واقعہ اس روز پیش آیا جب کہ ان کی مبارک رات تھی، یعنی ان دونوں کی ملاقات کا دن تھا وہ ان دنوں اُس کے گھر پر ہی رات بسر کرتا

تو

، کیونکہ اتنی سکت نہ رہی تھی کہ کہیں باہر رقص گاہ وغیرہ میں ملاقات کے اس کے تقاضے پورے کر سکے۔

اُس رات کلثوم نے ایک سمور کے اوور کوٹ کی خواہش ظاہر ، وہ اُسے ایک بڑی عالی شان دکان میں نہایت آب و تاب سے انظر آیا تھا۔ اس کی قیمت کئی سو روپے ہوگی۔

یہ خواہش اُس نے کسی ضرورت کی وجہ سے نہ کی تھی کیونکہ یسے کئی اوور کوٹ اُس کے پاس موجود تھے، بلکہ یہ طلب بہ طور آزمائش ی تھی۔ اس نے محسوس کیا تھا کہ ان آخری دنوں میں وہ ذرا بخیل ا ہو گیا ہے۔ نہ وہ شوق و ولولہ ہے نہ تحائف کا سلسلہ، اور نہ ہی سیر فریح، اور ضیافتوں کی کثرت ہے۔ ان چیزوں سے وہ ذرا بدگمان ہی اور خیال کیا کہ شاید اس کا دل بھر گیا ہے اور اب مجھ سے پیچھا چھڑانا اہتا ہے —— چنانچہ اصل بھید سے واقف ہونے کے لئے س نے یہ فرمائش کر ڈالی۔

دراصل اگر وہ مالی طور پر اس حالت کو نہ پہنچ گیا ہوتا تو یہ رمائش پوری کرنا اس کے لئے کوئی مشکل کام نہ تھا۔ ایسی ایسی بیسیوں رمائشیں اُس نے ایک اشارہ پر پوری کر دی ہوں گی۔

لیکن آج اُس کے تقاضے کا کیا جواب؟

اُس پر غم و فکر کے بادل چھا گئے، چہرہ اُداس ہو گیا، دل مرجھا گیا، اور پریشانی و اضطراب نے آگھیرا —— سب سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ تھی کہ وہ اپنی "محبوبہ" کی فرمائش کو کیسے رد کرے۔

کچھ لمحہ یہ کیفیت اس پر طاری رہی، اُس نے کوشش کی کہ اپنے دل کی بات دل ہی میں رہنے دے —— کچھ دیر سوچ کر اُس نے وعدہ کیا کہ عنقریب یہ فرمائش پوری کر دوں گا۔۔۔۔۔۔۔ اس کے علاوہ اور اس کے پاس جواب ہی کیا تھا!

لیکن کلثوم اس کی تمام ادائیں بغور دیکھ رہی تھی، اس نے تمام کیفیات کو نوٹ کیا، اور محسوس کیا کہ کوئی بات اُس نے دل میں چھپائی ہے —— اور وہ یہی کہ میرے تقاضے کو ٹالنا۔ اُس نے یقین کر لیا کہ، یہ وعدہ محض دھوکا ہے اور چھٹکارہ حاصل کرنے کے لئے دلاسا دیدیا ہے۔

اِس پر اُس کے شکوک و شبہات اور بھی بڑھے، اور گمان یقین تک پہنچ گیا۔ لیکن اُس نے یہ بات مخفی رکھی اور ظاہری طور پر اُس کی بات مان لی۔ پھر اس کے وعدہ پورا کرنے کا انتظار کرنے لگی۔

اس رات کے بعد ایک دن اور گزر گیا، وہ دن محسن نے جوا کھیلنے میں گزارا، لیکن ایک کوڑی بھی جیت نہ سکا۔ اب دوسرا دن آپہنچا، لیکن اس کی حالت ویسی کی ویسی تھی، اِتنے پیسے بھی نہ تھے۔۔ کہ اس کو اوور کوٹ خرید دے اور اسی وجہ سے اب دل بھی نہیں چاہ رہا تھا کہ اس کے پاس جائے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اب جائے بھی کس مُنہ سے!

اس کے لئے وہ دن اندھیری رات سے بھی کالا تھا۔ جب کہ وہ معذوری ظاہر کرتے ہوئے اس کے پاس پہنچا اور پوری تفصیل اس کے سامنے بیان کر دی کہ، تمام اثاثہ قرق ہو جانے کی وجہ سے وہ اِس قابل بھی نہ رہ سکا کہ وہ ایک اوور کوٹ خرید کر دے سکے۔

کلثوم کے لئے وہ گھڑی کتنی کٹھن تھی، جب کہ وہ اس کی تمام باتیں خاموشی سے سُن رہی تھی، اور دل میں خیال کر رہی تھی کہ یہ سب مکر و فریب ہے۔

جب اُس نے اپنی مجبوری اور مالی مشکلات کی تمام داستان کہہ سُنائی تو وہ بڑی چین بجبیں ہوئی، اُس کا دل کڑھنے لگا، اور وہ تمام خیالات دماغ میں جگہ پا گئے، جو ایک سرکش عورت کے دل میں سماتے ہیں:

٦

اُس نے یقین کر لیا کہ یہ سب جھوٹ بک رہا ہے، دراصل اس کا مجھ سے دل بھر گیا ہے، اب چاہتا ہے کہ کسی طرح چھٹکارا حاصل کر لوں۔

لیکن محسن کی کیا حیثیت ہے جو کلثوم کو اِس آسانی سے چھوڑ دے یا اس کو دغا دے کر بھاگ جائے؟ یہ بڑوں بڑوں کی فریب کاری اور عیاری پکڑ چکی ہے، اُس نے اچھوں اچھوں کے جھوٹ کا بھانڈا پھوڑ کر رکھ دیا ہے، اور کسی جھوٹے مکار کو اچھی طرح بدلہ لئے بغیر نہیں چھوڑا۔

پھر فوراً اس کے ذہن میں ایک خیال آیا، جس کا دماغ سے ہٹانا یا عمل میں نہ لانا اس کی طاقت سے باہر تھا، کیونکہ اُس کی دلی خواہش تھی کہ ایک سخت تجربہ کرے، جس سے اس کے مکر و فریب کی پول کھل جائے .... آخر اُس نے دل کی بات مجھ سے چھپائی کیوں؟

کلثوم نے اپنے احساس کو پوشیدہ رکھا، وہ سمجھتی تھی کہ یہ مجھ سے بے وفائی کر رہا ہے۔ اب اس نے بھی فریب کا لبادہ اوڑھ لیا، اور اُس کی قابلِ رحم حالت پر بناوٹی طور سے اظہارِ افسوس کرنے لگی اور مصنوعی ہمدردی جتانے لگی۔ جب اس میں کامیاب ہوگئی تو اس ضبطی و قرقی کے معاملہ کو معمولی بتا کر اُس کا غم و فکر دور کرنے لگی، اور کہنے لگی کہ یہ کوئی بڑی بات نہیں، آج نہیں تو کل، کل نہیں تو پرسوں اس سے نجات مل جائے گی، یہ حالت ہمیشہ نہیں رہتی۔ مشکلات کے بادل آتے ہیں اور چھٹ جاتے ہیں۔

محسن نے جب اس کی یہ چکنی چپڑی باتیں سُنیں تو اس کا اور بھی گرویدہ ہو گیا۔ اُس کا دل اب مطمئن ہو گیا اور سوچنے لگا کہ، اُس کی داشتہ کا مقصد کچھ اور ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے واقف کاروں اور احباب سے کہہ کر یہ گروی کی چیزیں بنک سے چھڑوا دے گی۔

اسی خیالِ خام میں وہ اُس کے پاس زیادہ رات تک رُکا رہا۔ اُس کو یہ خبر نہ تھی کہ اس آفت کی پرکالی نے اس کے لئے کیا اسکیم بنا رکھی ہے، اور اس کو پھانسنے کے لئے کیا جال تیار کر رہی ہے۔ شب کی نشست ختم ہونے پر اُس نے اپنی چالاکی اور ہوشیاری سے محسن کو گھر سے باہر کسی باغ وغیرہ میں سیر و تفریح کے لئے راضی کر لیا اور ملاقات کا وقت کل شام ٹھہرا اور مقام "باغِ اندلس"۔

پھر محسن نے کلثوم کو الوداع کہا، اُس وقت اس کا دل امیدوں سے پُر اور خوشی سے لبریز تھا۔ لیکن کلثوم کی تیوری چڑھی ہوئی تھی، اُس کے دل میں نفرت بھری تھی اور بدگمانی نے دل و دماغ کو جذبۂ انتقام سے مدہوش کر رکھا تھا۔

اگر محسن باہر جانے کے بعد فوراً ہی واپس لوٹ آتا، تو عجیب منظر دیکھتا۔ وہ دیکھتا کہ وہ عورت جسے وہ اپنی خیر خواہ اور قرقی و ضبطی سے نجات دہندہ سمجھتا تھا، خود اُسے پھانسنے کے لئے اپنی ایک نوجوان حسین خاصہ کو ایسی تدبیر بتا رہی ہے کہ اگر وہ اس میں پھنس گیا تو نجات کی کوئی صورت نہیں .... لیکن وہ واپس نہ لوٹا۔

کلثوم نے اس لڑکی کو اپنے دل کی سب باتیں بتا دیں اور اس کو پھانسنے کی تمام ترکیبیں سمجھا دیں، اور اس بات کے لئے آمادہ کر لیا کہ اس کے بدلہ وہ خود کل شام کو "باغِ اندلس" جائے اور جو جو واقعات اس کے ساتھ پیش آئیں، واپس آ کر بیان کرے۔ اس کے بعد تمام ضروری سامانِ زیب و زینت اُسے دیا

اچھی طرح سج دھج کر محسن کے لئے سامانِ فتنہ بن سکے۔

مقررہ دن کی صبح ہوئی، پھر شام۔ اب رات بھی چادرِ ظلمت لپیٹے آپہنچی ہے، اور کلثوم سراپا انتظار بنی ایک کمرہ میں بیٹھی اپنی خادمہ کی راہ دیکھ رہی ہے کہ محسن کے پاس سے کب واپس آئے۔

رات کے آٹھ بجتے ہی وہ آگئی، ہر قسم کی آرائش و زیبائش سے آراستہ و پیراستہ، بالوں کو عجب طریقہ سے سنوارے، نہایت بھڑک دار کپڑے زیب تن کئے اور ان پر سمور کا قیمتی اوور کوٹ۔ اس فاخرہ لباس اور ہار سنگار سے وہ سچ مچ ایک شہزادی معلوم ہوتی تھی .... ایک قدرتی حسن اور اس پر یہ اہتمام —

— دیکھنے والا دیوانہ نہ ہو تو اور کیا ہو۔

وہ کلثوم کو دیکھتے ہی بڑے خوشامدانہ لہجے میں بولی،

— بیگم ...... ! بالکل وہی ہوا جو آپ نے سوچا تھا — اب تو اس مکار، خائن کو سزا ملنی چاہئے۔

کلثوم کا دل دھڑکنے لگا، اس کو اگرچہ یہ امید تھی کہ محسن بیوفائی کرے گا۔ لیکن اس میں اس کی عزت کو بٹہ لگتا تھا، اور حسن و جمال کی ہتک ہوتی تھی۔ اس نے جذبات کو دبایا اور معمولی انداز سے پوچھا:

— کیا وہ ٹھیک وقت پر آگیا تھا؟

— وہ تو وہاں پہلے سے موجود تھا، اس کے بار بار گھڑی دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی کے انتظار میں ہو۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ میں ہی اس جگہ آن بیٹھی، تو پوری طرح میری طرف متوجہ ہوگیا اور بار بار نظر پلٹ کر مجھے دیکھنے لگا۔ وہ وہاں بےچینی سے چہل قدمی کر رہا تھا۔ کبھی مجھے دیکھتا، کبھی گھڑی پر نظر ڈالتا۔ کچھ دیر بعد میں نے اس سے بیٹھنے کو کہا۔ اس نے فوراً ہی یہ پیشکش قبول کرلی، اور بڑا خوش ہوا، بار بار شکریہ ادا کرنے لگا اس کے بعد دوسری باتیں چھیڑ دیں .... میرے پاس کچھ دیر بیٹھ کر وہ بھول گیا کہ میں کس کی راہ دیکھ رہا تھا اور مجھ سے باتوں میں خوب مشغول ہوگیا، کافی دیر تک ہم بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ دورانِ گفتگو میں اس نے اشارہ کنایہ میں اپنی محبت کا اظہار کیا اور آئندہ کہیں اور ملنے کے لئے کہا۔ اس نے آپ کا مجھ سے ذکر تک نہیں کیا، آپ کو بالکل بھولا بسرا سمجھ لیا۔

یہ باتیں کلثوم کو بڑی گراں گزریں، اس نے سوچا کہ شاید یہ لڑکی مبالغہ کر رہی ہے۔ لڑکی کو بھی شک ہوا کہ شاید بیگم صاحبہ مجھے جھوٹا سمجھ رہی ہیں —— اس نے اب اپنے کو سچا بتانے کے لئے ایک نشانی دکھائی۔ بٹوہ کھولا اور اس میں سے ایک بنفشی رنگ کا سلولائڈ کا پھول نکالا۔ کہنے لگی:

—— یہ ہے حسین پھول جو اس نے مجھے دیا! محبت کی نشانی!!

کلثوم کی نظر جو اس پر پڑی تو بےچین ہوگئی، غصہ سے چہرہ سرخ ہوگیا، اس کے دل میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی ——

—— یہ وہی پھول تھا جو خود اس نے محسن کو دیا تھا جب کہ، زینت بیگم کی امدادی محفل میں ان کی پہلی مرتبہ ملاقات ہوئی تھی۔

وہ بہت ہی برافروختہ ہوئی اور شدتِ غیظ و غضب سے دل ہی دل میں آہیں بھرنے لگی۔

—— آہ ...... غنیمت کہ میں اس سے دھوکا نہ کھا سکی —— وہ دوسری لڑکی کو تو سیر و تفریح کے لئے بلاتا ہو، لیکن مجھ سے اپنی غربت و افلاس کی حکایتیں بیان کرتا ہے —— خوب ہیرا ہی دیا ہوا پھول آپ مجھے پیش کر رہے ہیں!! اس کی یہ سب باتیں محض

ڈھونگ تھیں، وہ ضرور مجھ سے چھٹکارہ حاصل کرنا چاہتا تھا...... گویا میری ہتک کرنا! —— لعنت ہو اس پر! اس کے چہرے پر پھٹکار برسے!!

پھر وہ اس لڑکی کی طرف متوجہ ہوئی، اور پوچھنے لگی:

—— اچھا پھر تم دونوں میں کیا طے ہوا؟

—— وہی جو آپ نے فرمایا تھا۔ انشاءاللہ بہت جلد میرے گھر پر اس انتقام کا ڈرامہ کھیلا جائے گا........ جب میں نے دیکھا کہ یہ اب میری بیگم صاحبہ کی خیانت پر اُتر آیا ہے اور دل کی بات ظاہر نہیں کرتا، تو باہر رات رہنے کا پروگرام میں نے رَدّ کر دیا، اور کل رات اپنے گھر پر بُلا لیا........ اب آپ کسی قسم کا فکر نہ کریں میں نہایت خلوص اور ایمانداری سے آپ کی خدمت بجا لاؤں گی —— آپ یہ کام بس مجھ پر چھوڑ دیجئے۔ مجھے معلوم ہے آپ کیا چاہتی ہیں میں اس مکّار فریبی سے اکیلی ہی بدلہ لے لوں گی۔

پھر ان دونوں نے مل کر انتقام لینے کی پوری اسکیم بنائی اور سب کام ٹھیک ٹھاک کر لیا۔ ....

دوسرے دن کا آفتاب نکل آیا،

اتفاق سے آج پہلی تاریخ ہے —— محسن کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں........ خوشی کیسے نہ ہو جب کہ آج اُس کی جیب روپوں سے گرم ہے۔ چار سو، پانسو سے کسی طرح کم نہ ہوں گے، یہ اس کے ذاتی جیب خرچ کی رقم ہے —— اب آج ہی اپنی نئی سہیلی کے ہمراہ نہایت رنگین مجلس جمے گی اور وہاں اپنی شان دکھائے گا۔

—— یہ کیسی نیک فال اور مبارک شگون ہے، اب وہ منحوس چڑیا اُڑ گئی، جس کی نحوست سے غربت و افلاس چھایا ہوا تھا اور اب خوش حالی و فراخ دستی کا تحفہ لئے مبارک فاختہ آ گئی۔

—— اِس کشادگی و تونگری کی نشانی کون ہے؟ وہی باغ والی لڑکی!

محسن اِسی طرح کی باتیں سوچتا رہا، اسی سوچ بچار میں وہ اُس کا اور کلثوم کا تقابل کرنے لگا، دل ہی دل میں کہنے لگا:

—— بالکل نہیں....... ان دونوں میں دُور کی بھی مناسبت نہیں، ایک سرتاسر خود غرض لالچی اور گھمنڈی، جب دیکھو فرمائشیں مطالبوں پر مطالبے —— دوسری دیکھو کیسی حسین اور بھولی بھالی کوئی غرض نہیں، کوئی مطلب نہیں۔ کہیں باہر ہوٹل یا رقص گاہ وغیرہ میں آنے کو بھی نہیں کہا، بلکہ اپنے گھر پر ہی رات کو آنے کی دعوت دی، تاکہ فضول خرچی نہ ہو........ درست ہے بعض اوقات اتفاقیہ ملاقات وعدہ کی ملاقات سے بدرجہا بہتر رہتی ہے۔"

یہ باتیں سوچ کر وہ کھڑا ہوا اور اپنی نئی داشتہ کے ہاں جانے کی تیاری کرنے لگا —— نہایت شاندار لباس پہنا اور اُوور کوٹ کو تہہ کر کے بائیں ہاتھ پر رکھا، دائیں ہاتھ میں چمڑے کے دستانے لئے اور گھر سے پیدل نکل پڑا، کیونکہ تنگ موڑوں کی وجہ سے اس لڑکی کے گھر تک کار کا پہنچنا بہت مشکل تھا........ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ عشق اندھا ہوتا ہے!

اسی اندھے پن کے اندھیارے میں راستہ تلاش کرتا اور اُلٹے سیدھے ڈگ مارتا وہ اپنی عیار محبوبہ کے تیار کردہ جال میں پہنچ گیا اب محسن کو اسی جال میں پھنسا چھوڑیئے........ اور دیکھئے کہ وہ فاختہ پروگرام کے مطابق کب اپنی مالکن کے پاس واپس آتی ہے۔

گھبرانے اور پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں......

ابھی ہم اسی رات کے درمیانی حصّہ میں ہیں۔ کلثوم کے مکان کی تمام بتیاں گُل ہو چکی ہیں، لیکن ایک کمرہ اب بھی روشن ہے، اس میں کلثوم اور اس کی خادمہ تنہا بیٹھی ہیں۔ محسن کے متعلق گفتگو ہو رہی ہے، آج رات جو کچھ محسن پر بیتا اُس کی کتھا وہ لڑکی سُنا رہی ہے......

لڑکی نے بڑی خوشی اور مسرت سے خوشامدانہ لہجہ میں کہا:

——بیگم! سب کام ٹھیک ہو گیا، ہر چیز آپ کے فرمانے کے مطابق کی گئی، اور آخر کار نتیجہ کامیاب نکلا۔

کلثوم نے پوچھا:

——وہ مکّار فریبی، اب کہاں ہے؟

——وہ دغاباز اب جیل میں ہے۔

——خدا کی قسم؟ کیا یہ سب کام تم نے کر لیا؟

——ہاں! ہاں! میں نے سب کام مکمّل کر لیا، اور نہایت ہوشیاری و چالاکی سے کیا۔ جیسے ہی وہ آیا، میں نے خادمہ کو آپ کی خدمت میں روانہ کر دیا اور کچھ دیر باتیں ہونے کے بعد خادمہ پولیس کو بلا لائی اُس کی بد قسمتی دیکھئے......وہ اُس وقت اپنے بازو میرے گرد حائل کئے ہوئے تھا......پولیس کو دیکھتے ہی وہ گھبرا گیا اور اُس کے حراستی اقدام پر ہراساں ہو کر، مجھ سے مدد طلبی کے لئے چیخ و پکار کرنے لگا!

——یہ آفتِ ناگہانی دیکھ کر وہ بوکھلا گیا تھا، اُسے اِس سُنہری کنگن کا پتہ بھی نہ تھا جو میں نے چپکے سے اُس کی جیب میں ڈال دیا تھا۔ اب وہ اپنی صفائی بیان کرنے سے عاجز تھا۔ لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا کہ خادمہ کی شہادت کس طرح سچی ثابت ہوئی۔ میں نے بھی انھیں یقین دلایا کہ خادمہ بالکل ٹھیک کہتی ہے اور یہ شخص مجرم ہے۔

کلثوم بڑی توجہ سے اُس کی یہ باتیں سُن رہی تھی، اُس کو لڑکی کی اِس جرأت و ہمّت پر بہت تعجب تھا۔ دل ٹھنڈا ہونے پر کہنے لگی:

——تم تو بڑی ہوشیار لڑکی ہو......وہ بھی کیسا احمق تھا...... اچھا پھر کیا ہوا؟ تمھیں اس وقت کوئی گھبراہٹ نہیں ہوئی؟

——نہیں، کچھ بھی نہیں!......میں تو ہر طرح محفوظ اور مطمئن تھی......وہی اس مصیبت میں پھنس کر پریشان ہو گیا تھا......خصوصاً اُس وقت جب کہ انسپکٹر نے اس کے کوٹ کی جیب سے سُنہری کنگن برآمد کر کے میرے حوالے کیا......یہی وہ حربہ ہے جس کی بنا پر میں عدالت میں اس کے خلاف مقدمہ لڑ سکتی ہوں۔ بالآخر وہ میرے پاس سے دفع ہو گیا اور مقدمہ کی تاریخ تک کے لئے نظر بند کر دیا گیا۔

پھر اُس نے ذرا جھک کر آہستہ سے کلثوم کو بتایا:

——وہ اپنا اوورکوٹ اور دستانے بھی چھوڑ گیا ہے، چلتے وقت جب اُس نے یہ دونوں چیزیں مانگیں، تو میں نے صاف انکار کر دیا۔

یہ سُنکر کلثوم کو اپنی فتح محسوس ہوئی اور دل میں گھمنڈ سما گیا، وہ دونوں اِس پر خوب ہنسیں اور اس طرح اپنے انتقام کی آگ ٹھنڈی کی۔ اب رات کافی گزر چکی تھی، کلثوم اپنی مسہری پر لیٹ گئی، اور نفرت آمیز لہجے میں کہنے لگی:

——اب وہ شیطان اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ گیا...... مجھے اب اس سے کوئی سروکار نہیں۔ مجھ سے چالبازی کرنے کا مزہ تم نے اُسے اچھی طرح چکھا دیا......اس کی چھوڑی ہوئی چیزیں اب تمھاری ہیں، میں تمھاری تنخواہ بھی بڑھا دوں گی......اور مقدمہ کے بعد اس میں اور اضافہ کر دوں گی۔ (باقی بر صفحہ ۸)

کتاب التوحید مترجم

اس میں توحید کی حقیقت، اس کے حدود، شرک اور اُس کی خرابیاں اور اس میں مبتلا ہو جانے کے تمام راستوں کو ہر باب کے مطابق قرآن اور حدیث کی صاف اور واضح شہادتوں سے بیان کر دیا ہے، اس کتاب کے مطالعہ سے بہت سے رسمی اُمور ایسے معلوم ہوں گے جو شرعاً ناجائز ہیں، بہت سی بدعتیں اور بُرائیاں ظاہر ہوں گی، ضروری ہے کہ ہر شخص اس کو نہایت غور و تدبّر سے پڑھے۔ اس تاریک دور میں اِس اصلاحی کتاب کا ہر مسلمان کے لئے زیر مطالعہ رہنا نہایت ضروری ہے۔ صفحہ کے ایک طرف اصل عربی اور اُس کے مقابل میں اُردو ترجمہ نیز جابجا ضروری تشریحات سے کتاب کی افادیت بڑھ گئی ہے۔ اس کتاب کی ابتدا میں مصنّف کی سوانح بھی شامل کر دی گئی ہے۔ "اصح المطابع" کی مطبوعہ "کتاب التوحید" کا یہ ایڈیشن تمام سابقہ مطبوعہ نسخوں سے صحیح ترین و کتابت و طباعت کے معیار میں ممتاز ہے۔

قیمت مجلّد تین روپے

کتاب الصلوٰة

و ما یلزم لها

اِس کتاب کے مؤلّف حامیِ دینِ متین حضرت امام احمد بن حنبلؒ ہیں۔ آپ ۱۶۴ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے اور ۲۴۰ھ میں وفات پائی۔

فقہ، حدیث، زہد، ورع اور عبادات میں مقتدا ہیں۔ آپ کے فضائل بہت زیادہ ہیں، آپ کے مناقب بہت وافر ہیں، آپ کے ذکر کا آفاق میں شہرہ ہے۔ آپ اُن مجتہدین میں سے ایک ہیں جن کے قول، رائے اور مسلک پر بہت سے ممالک میں امّتِ مسلمہ کا عمل ہوتا ہے۔

آپ کی اِس بے بہا تالیف "کتاب الصلوٰة" میں نماز کے بارے میں نماز کی عظمت کے بیان ہیں، اور جو باتیں نماز کے کامل ہونے کے لئے لازمی ہیں اور نماز کے ان احکام کے متعلق جن کی مسلمانوں کو بہت سخت ضرورت ہے ایسے تمام اہم امور درج ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ انسان ساٹھ برس تک نماز پڑھتا ہے لیکن پھر بھی اُس کی نماز نہیں ہوتی۔ پوچھا گیا کہ کیونکر نماز نہیں ہوتی؟ فرمایا رکوع پُوری طرح سے ادا کرتا ہے تو سجدہ پوری طرح سے ادا نہیں کرتا، اگر سجدہ پوری طرح سے ادا کرتا ہے تو رکوع پوری طرح سے ادا نہیں کرتا۔

یہ کتاب تالیف کر کے امام احمد بن حنبلؒ نے ایک جماعت کے پاس بھیجی تھی، جن کے ساتھ آپ کو نماز ادا کرنے کا موقع پیش آیا تھا۔ امام احمد بن حنبلؒ نے خود فرمایا ہے کہ اس کتاب کی مختلف ممالک میں اشاعت کی سخت ضرورت ہے کیونکہ مسلمانوں نے نماز کو ہلکا سمجھ رکھا ہے۔ نماز کے حقوق برباد کر کے نماز کی توہین کرتے ہیں۔ اِس کتاب میں امام احمد بن حنبلؒ کی سیرت بھی شامل ہے جو بے شمار علمی و تاریخی فوائد سے لبریز ہے۔ نور محمد۔ اصح المطابع نے اعلیٰ صحت و شان کے ساتھ طبع کیا ہے۔

قیمت مجلّد ایک روپیہ آٹھ آنے۔

ملنے کا پتہ { نور محمد۔ کارخانہ تجارتِ کتب۔ آرام باغ۔ فریر روڈ۔ کراچی

بشیر محمد۔ طابع و ناشر نے مشہور آفسٹ لیتھو پریس، کراچی میں طبع کرا کر، دفتر "تذکرہ" آرام باغ، کراچی سے شائع کیا۔

TAZKERAH

ماہوار رسالہ تذکرہ آرام باغ کراچی

Regd. No. S-1733